۱۸

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

اپریل تا جون ۲۰۱۸ء

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلّٰی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی ؒ ۔ مکھڈ شریف (اٹک)

بفیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

علم وعرفاں کا ترجماں

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیل سلیماں

اپریل تا جون ۲۰۱۸ء

شمارہ: ۱۸

نظامیہ دارالاشاعت

خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔ مکھڈ شریف۔ اٹک

ہدیہ: سالانہ 700روپے فی شمارہ:175روپے

رابطہ : مدیران: 0343-5894737 / 03468506343 /03335456555

e-mail: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

اداریہ

کتاب خانوں کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے۔ جتنا خود انسان۔ دُنیا میں پہلے پہل جس انسان نے قدم رکھا وہ اُس وقت کا سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور عظیم انسان تھا۔ انسان، کتاب اور کتاب خانہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔

انسان کا کتاب اور کتاب خانہ سے جب تک رشتہ مضبوط رہا؛ اُس وقت تک معاشرہ تہذیب وتمدن اور امن وآشتی کا گہوارہ رہا۔ جب سے یہ تعلق کمزور ہوتا جا رہا ہے؛ روایتیں دَم توڑتی جا رہی ہیں۔ ہم جدیدیت کی تفہیم میں اپنی حقیقت واصلیت کو بھُول چکے ہیں۔ صدیوں پہلے جہاں ہمارے تعلیمی ادارے اپنے پہلو میں ایک ضخیم علمی کتاب خانہ سجائے تشنگانِ علم کی پیاس بُجھانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ وہ معاملہ قصہ ٔپارینہ ہوا۔

کتاب وکتاب خانہ سے محبت رکھنے والے دُنیا سے کیا گئے یہ علمی روایت ہی دَم توڑتی چلی گئی۔ بعض علما کے ساتھ ہی اُن کی کتابیں دفن کر دی گئیں۔ بعض کتب عدم توجہ کی وجہ سے دیمک کی خوراک بنیں۔ بعض کوڑیوں کے داموں بیچی گئیں۔ بعض اہلِ علم کی محبت کی نذر ہوئیں۔ بعض کتب خانے وارثوں میں تقسیم ہوئے۔ پھر ہر وارث نے اپنے ذوق کے مطابق اس علمی ذخیرے کے ساتھ معاملہ کیا۔ بعض گھروں میں کسی عالم کے اُٹھ جانے کے بعد کتابوں کے لیے جگہ نہ رہی۔ وہ جو کتاب کو جاں سے عزیز رکھتے تھے اُٹھ چلے؛ اب کون اس میراث کو سنبھالے۔ وارثان اس بے جان علمی ذخیرے کا جو حشر نشر کرتے ہیں وہ ڈھکی چھپی بات نہیں۔

کچھ عرصہ قبل تک مدارس اور خانقاہیں یکجا تھیں۔ ان میں تفاوت نہ تھا۔ بل کہ خانقاہ ہی علمی وروحانی درس گاہ تھی۔ علما اور صوفیا میں یہ بُعد نہ تھا جو آج دیکھنے کو ملتا ہے۔ خانقاہ ایک علمی وادبی تربیت گاہ تھی اور کتاب خانہ اس کا لازمہ تھا۔ آج بھی ہندوستان بھر میں جتنی قدیم خانقاہیں موجود ہیں۔ اُن میں کتاب خانہ کو ایک مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اب وہ زمانہ بیت چلا۔ شاذ شاذ ہی اس کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں؛ کہ کسی صاحبِ جنوں کو کتاب یا کتاب خانہ سے عشق ہو چلا ہو۔

ہماری تاریخ اس کی گواہ ہے کہ قدیم خانقاہوں کے کتب خانے اپنے اندر کتنی وُسعت رکھتے تھے؛ کہ وہاں کسی بھی فن کی کتاب مختلف زبانوں میں محفوظ ہوتی تھی۔ خانقاہوں ہی نے بڑے بڑے علما پیدا کیے؛ جو مختلف موضوعات پر کتب لکھا کرتے۔ بعض کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم، اور بعض کی شروحات لکھی جاتی۔ کوئی بھی خانقاہ کسی

عظیم یونیورسٹی سے کم نہ تھی۔

ایک خانقاہ سے وابستہ علما دُنیا سے رُخصت ہوتے وقت اپنے ورثا کو یہ نصیحت ضرور کر جایا کرتے تھے کہ میری کتب جو زندگی بھر مجھے جاں سے بھی عزیز تر رہیں۔ میری آنکھیں بند ہوتے ہی خانقاہ کے کتاب گھر میں جمع کرا دینی ہیں۔ بہ ایں صورت خانقاہوں سے متصل کتب خانوں میں ایک عظیم ذخیرہ وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہا۔

آج کا المیہ یہ ہے کہ وہ کتاب کے رکھوالے خود کتاب اور کتاب کی محبت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ یوں وصیتوں کے سلسلے بھی رُک گئے۔ بڑے بڑے عظیم کتب خانے کوڑیوں کے داموں فروخت ہوئے۔ کسی ایک گاؤں، قصبہ یا شہر کی کتابیں جو اُس علاقے کی پہچان تھیں؛ کسی بڑے شہر کے اتوار بازار میں راہ گیروں کی ٹھوکروں کی نذر ہوئیں۔ عربی و فارسی اور اپنی ماں بولی سے عاری زمانہ کتاب کی اہمیت کو کیا جانے؟ کتاب اور کتاب گھر کی کہانی ابھی نامکمل ہے۔ زمانے کے ہاتھوں اسے کن کن حالات سے گزرنا ہے اور اہلِ زمانہ اس سے کیا کیا برتاؤ کریں گے؛ یہ وقت ہی بتائے گا۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دوبارہ اسلاف کی روایت کو زندہ کیا جائے۔ انسان' کتاب اور کتب خانہ یکجا ہوں اور قومِ رسولِ ہاشمی کی ترکیبِ خاص کو رواج دیا جائے۔ تا کہ زندگی کی صورت گری ہو۔

○

''قندیلِ سلیماں'' کا شمارہ ۱۸ حاضرِ خدمت ہے۔ مضامین کی ترتیب و تہذیب اور پیش کش میں ہم کتنے کامیاب رہے ہیں۔ آپ کی رائے ہماری رہنمائی کرے گی۔

مدیر

گوشۂ عقیدت

حمد باری تعالیٰ

خواجہ عابد نظامی

اُس ذات کی ثنا لکھے، کس کی مجال ہے
یکتا ہے، بے عدیل ہے، جو بے مثال ہے

ہر شے زوال کیش ہے اس کائنات کی
اک ذاتِ کردگار ہے جو لازوال ہے

پتھر میں بند کیڑے سے پوچھو کبھی یہ بات
خالق کو اپنی خلق کا کتنا خیال ہے

گلشن کی نکہتوں میں جمال اس کا ہے نہاں
پربت کی رفعتوں میں اسی کا جلال ہے

غم میں اُسی کے لطف سے مجھ کو ملی نجات
اُس کا کرم ہی مجھ کو مصیبت میں ڈھال ہے

آگاہ اس کی ذات ہے سینے کے راز سے
وہ خوب جانتا ہے کہ جو میرا حال ہے

خلقت سے اس کو کیوں نہ محبت ہو اس قدر
عابدؔ تمام خلق اسی کی عیال ہے

نعت بہ حضورِ سرورِ کائنات ﷺ

نصرت بخاری

صرف عشقِ رسول و آلِ رسول
اور ہے بھی تو کائنات میں کیا

جو لڑائی میں بھی نہیں لڑتا
کوئی ایسا ہے شخصیات میں کیا

نعت کہتا ہوں کام بنتے ہیں
اسمِ اعظم ہے میرے ہاتھ میں کیا

نعت کہتا ہوں، نعت ہوتی نہیں
کوئی خامی ہے میری ذات میں کیا

عشقِ خیر الانام بھول گئے؟
صرف سجدہ ہے دینیات میں کیا؟

میں نے آگے حساب دینا ہے
نعت رکھی ہے میرے ہاتھ میں کیا؟

☆☆☆☆

شہیدِ کربلاؓ

ماہرالقادری

اَجل کو دیکھ کے جب مسکرا دیا تو نے
حنین و بدر کا منظر دِکھا دیا تو نے

ہے زیبِ صفحۂ تاریخ تیری قربانی
خدا کی راہ میں سب کچھ لُٹا دیا تو نے

فرات دے نہ سکی گرچہ دادِ تشنہ لبی
مگر خلوص کا دریا بہا دیا تو نے

مری نگاہ میں جچتی نہیں شہنشاہی
نہ جانے کون سا عالَم دِکھا دیا تو نے

جنابِ حُر کے مقدر کا اَوج کیا کہنا
حقیر ذرّہ کو سُورج بنا دیا تو نے

عیاں زمانہ میں پھر، کربلا کی صورت ہے
خدا کے واسطے پھر آ، تری ضرورت ہے

☆☆☆☆

منقبت حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ

عبدالستار نیازیؒ

ہوکرم کی نظر آئے ہیں ترے در ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر
خَم ہے در پہ ترے ہم غلاموں کا سر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

مرکز اولیا تیرا شہرِ حسن ، مہکا مہکا رہے چشتیوں کا چمن
خواجہ ہندالولی کے اے نورِ نظر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

در پہ بیٹھی ہوں میں بھی تیرے شام کی ، بھیک جاؤں گی لے کر تیرے نام کی
تیرا جود و سخا میں ہے مشہور گھر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

نام سُن کر تیرا آئے ہیں دُور سے ، لاج رکھنا ہماری خُدا کے لیے
مرے حاجت روا اے مرے چارہ گر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

اپنے صابر کا صدقہ کرو رحمتیں ، رنگ دو صابری رنگ میں اب ہمیں
قطب الدینؒ خواجۂ چشت کے نام پر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

غم کے ماروں کو خوشیوں کی دولت ملے ، بابِ جنت کے صدقے میں جنت ملے
حشر تک جگمگائے تمہارا نگر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

گیت گاتا تمہارے نیازؔی رہے ، چاہے روٹھے زمانہ تُو راضی رہے
ہے دُعا تیرے منگتے کی شام و سحر ، باوا گنجِ شکر باوا گنجِ شکر

پنجاب کی خانقاہیں اور اُن کا علمی سرمایہ

ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری ☆

یہ ۲۰۱۵ء کے دن تھے جب پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ کو جی سی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں پی۔ایچ۔ڈی کی کلاس کو تاریخ تصوف کے زیرِ عنوان ایک کورس پڑھانے کی درخواست کی گئی۔آپ نے بہ سروچشم اس درخواست کو قبول فرمایا اور کورس ترتیب دے کر نصاب صدرِ شعبہ تاریخ کو بھجوا دیا۔تدریس کے دوران ڈاکٹر سلطان شاہ کے لیکچرز کی بدولت ایک نوجوان محقق اعجاز احمد نے:

"Religious Leadership in Colonial Punjab in 20th Century, A Case Study of Pir Sial Sharif and Pir of Makhad Sharif"

کے موضوع پر ایک خاکہِ تحقیق (Synopsis) بنانا شروع کر دیا۔اس دوران وہ محقق سیال شریف،تونسہ شریف اور مکھڈ شریف کے تحقیقی اسفار بھی کر آیا۔ڈاکٹر سلطان شاہ نے ایک دِن راقم کو اس کی مدد کرنے کا حکم دیا۔اس کی تعمیل میں ''فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال'' کی جتنی جلدیں راقم کے ذخیرۂ کتب میں استاد زادہ مفتی سہیل احمد سیالوی کی عطا کردہ موجود تھیں اس نوجوان کے حوالے کر دی گئیں۔اس دوران ڈاکٹر صحبت خان کوہاٹی کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''فروغِ علم میں خانوادۂ سیال شریف اور ان کے خلفاء کا کردار'' کتابی صورت میں سامنے آیا تو اس کی ایک کاپی بھی مفتی صاحب نے راقم کو ذاتی مطالعے کے لیے عطا فرمائی۔یہ کتاب اور ڈاکٹر سلطان شاہ کا ایک مضمون

"The Mystics of Sial Sharif as Apponents of the British Rule in India"

اور راقم کا کیا ہوا اس کا اردو ترجمہ ''برصغیر میں برطانوی راج کی مخالفت میں صوفیائے سیال شریف کا کردار'' بھی اسی محقق کے حوالے کر دیے گئے۔ایک دن ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب شعبے میں موجود نہیں تھے۔محقق اعجاز احمد راقم کے پاس آئے اور یوں گویا ہوئے۔ڈاکٹر صاحب آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن آپ نے مجھے ہم سفری کا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

اعزاز عطا فرماتا ہے۔ میں چوں کہ بات کو بالکل نہیں سمجھا تھا اس لیے دریافت کیا کہ میاں کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ جب ارادہ آپ کا ہے تو ہم سفر آپ ہمارے ہوں گے یا ہم آپ کے؟ بتایا کہ تحقیق کے سلسلے میں سیال شریف، تونسہ شریف اور مکھڈ شریف تو میں ہو آیا ہوں لیکن کسی وسیلے کے بغیر
حاضریاں ہوئیں؛ اس لیے زیارتوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔

میں نے پوچھا کہ ہم سفری کے لیے میرا ہی انتخاب کیوں؟ محقق نے بتایا کہ میں نے اپنے تحقیقی اسفار کے نتائج سے ڈاکٹر سلطان شاہ کو آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر تحقیق کے حوالے سے اسفار کو کامیاب بنانا چاہتے ہو تو ڈاکٹر خورشید قادری کو ساتھ لے جاؤ۔ محقق نے کہا کہ میری تحقیق صوفیائے چشت پر ہے ایک قادری نسبت والے ڈاکٹر اس میں کس طرح معاون ہو سکتے ہیں؟ ڈاکٹر سلطان شاہ نے فرمایا کہ ویسے تو سلسلۂ قادریہ کا فیضان ڈاکٹر خورشید کے اپنے خاندان میں بھی موجود ہے۔ ان کے والد الحاج خلیفہ علی احمد قادری اور اجداد سلسلہ قادریہ کے اصحاب سجادہ رہے ہیں لیکن ان کی بیعت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی سے ہے۔ محقق نے بتایا کہ میں اگلا سوال کرنے ہی والا تھا کہ شاہ صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضور شیخ الاسلام کو چاروں سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ ہو سکتا ہے خواجہ صاحب نے خورشید کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت کیا ہو۔ تمام سوال و جواب کے بعد محقق نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے نوجوان کو بتایا کہ جن آستانوں کے آپ نے نام لیے ہیں یہ سب میرے لیے ''آستانِ جنت نشان'' ہیں۔ آپ جب چاہیں، میں ہم رکابی کے لیے تیار ہوں۔ محقق لاہور، اسلام آباد، ملتان اور کراچی میں سی۔ایس۔ایس (CSS) کی کلاسوں کو علم التاریخ پڑھانے جاتے ہیں اس لیے آپ نے اپنی اور میری مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اختتام ہفتہ پر سفر کرنے کو ترجیح دی۔

ماہِ اپریل کے دوسرے اختتام ہفتہ پر ہم براستہ دینہ ضلع جہلم، جلال پور شریف اور بھیرہ شریف کے تحقیقی دورے پر تھے۔ دینہ میں شیخ الحجو دین مولانا قاری محمد یوسف سیالوی کی دست بوسی ہمارے لیے روحانی فیوض و برکات کا ذریعہ تو تھی ہی مفتی سہیل سیالوی کا دسترخوان جسمانی تازگی اور طاقت کا ذریعہ بنا۔ کشمیر ٹاؤن میں قائم جامعہ رضویہ احسن القرآن کے دو احرام (Campuses) ایک دوسرے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر قائم ہیں۔ حرم امام شاطبی کی لائبریری سے ہمارے محقق نے بہت سے چیزیں حاصل کیں۔ خاص طور پر ڈاکٹر معین نظامی کے والدِ گرامی پروفیسر غلام نظام الدین کی لکھی ہوئی دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی صد سالہ رپورٹ اس

دورے کی سب سے اہم یافت تھی۔ محقق نے حرم امام جزری سے استفادے کے لیے ایک مرتبہ پھر دینہ حاضر ہونے کا عزم ظاہر کیا۔ جامعہ رحمانیہ رضویہ سوہاوہ (ضلع جہلم) جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سے الحاق شدہ ایک شان دار دارالعلوم ہے۔

درس نظامی کی تمام کتب کا مطالعہ مکمل کر لینے والے طلبہ کو دورۂ حدیث کے لیے سوہاوہ سے بھیرہ بھیج دیا جاتا ہے۔ جامعہ رحمانیہ رضویہ کے نائب ناظم مولانا ضیاء اللہ سیالوی سے درخواست کی گئی کہ آپ ہم رکاب ہوں تو بھیرہ میں ان کے تلامذہ کی بدولت مطالعہ، مشاہدہ اور کسبِ فیض آسان رہے گا۔ ضیاء اللہ صاحب اپنے مرحوم والدِ گرامی مولانا عبداللہ سیالویؒ کی سچی تصویر ہیں۔ ایک ٹیلی فون پر ''کچے دھاگے سے چلے آئے سرکار بندھے'' اب یہ تحقیقی قافلہ محقق اعجاز احمد، مفتی سہیل سیالوی، مولانا ضیاء اللہ سیالوی، قاری عبداللہ سیالوی اور راقم پر مشتمل تھا۔

جلال پور شریف کی عالی مرتبت اور ایک رفیع پہاڑ کی چوٹی پر قائم درگاہ پر حاضری ابھی تک دل و نگاہ کو ضیا بار کیے ہوئے ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے تو اسے شاہی مسجد لاہور کا فقیرانہ نمونہ پایا۔ سنگِ سُرخ سے بنی اور نقش و نگار سے سجی بلند دیواریں اور کھجور کے تنے کی طرح دراز ستونوں پر کھڑی باوقار چھت۔ حقیقت یہ ہے کہ پیر حیدر شاہؒ کے ذوقِ تعمیر کا پُرعظمت نمونہ دیکھ کر پیر سیالؒ کے خلفا کی عظمت کا احساس دو چند ہو گیا۔ جلال پور شریف کی لائبریری سے جہاں جذبۂ تحقیق کو مہمیز ملی وہاں لنگر شریف کی سادگی اور وقار نے بھی متاثر کیا۔ غروب آفتاب کے بعد عموماً مزار شریف کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے لیکن استاد زادہ مفتی سہیل احمد سیالوی کے وجودِ مسعود کی یہ دولت نہ صرف مزار شریف کے دروازے تحقیق کے رسیا مسافروں کے لیے کھول دیے گئے؛ بل کہ روحانی فیوض و برکات کی برسات بھی جاگتی آنکھوں سے مشاہدہ کرائی گئی۔ یہاں ہمارے میزبان جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ کے سند یافتہ قاری بلال ثناء تھے۔ لائبریری تک رسائی ان کی بدولت ہی ممکن ہوئی۔

جلال پور شریف کے مدرسے کے ساتھ متصل لائبریری کتب کی تعداد اور تنوع کے حوالے سے تو زیادہ مال دار نہیں تھی لیکن قدامت اور اصلیت کے حوالے سے بے نظیر تھی۔ اس میں یقیناً پیر حیدر شاہؒ (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۸ء) اور پیر فضل شاہؒ کا وِژن بھی کار فرما ہے کہ وہ اپنی مذہبی خدمات اور سیاسی جدوجہد کو صفحۂ قرطاس پر محفوظ بھی کرتے رہے۔ چہ جائے کہ موجودہ قیادت اور نائبین کی توجہ ان تاریخی نوادرات کی دیکھ ریکھ کے حوالے سے قابل ستائش نہیں ہے لیکن امیر حزب اللہ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ کی ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ (۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء بروز جمعۃ المبارک) کی تقریر کے آج ۸۵ برس بعد من و عن نظر نواز ہو جانے میں موجودہ قیادت اور نائبین کی عقیدت اور خلوص

بھی شامل ہے۔ متوسط سائز (۶x۹") کے ۱۵ صفحات پر مشتمل امیر حزب اللہ کی تقریر کے کچھ حصوں کو دیمک نے چاٹ رکھا ہے لیکن ان پاکیزہ ہستیوں کا تصرف ماننا پڑے گا کہ آغاز سے اختتام تک تقریر ساری کی ساری قابل ِ قرأت تھی۔ اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حزب اللہ کا ساتواں سالانہ جلسہ تھا۔

مذکورہ بالا خطبہ کے علاوہ پیر محمد فضل شاہؒ کے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں دیے گئے درج ذیل خطباتِ صدارت بھی قلب ونگاہ کی روشنی کا باعث ہوئے۔

۱۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہِ صدارت۔ حزب اللہ کا سترھواں سالانہ اجلاس (۱۹۴۴ء)۔ اس کے کچھ حصے دیمک زدہ تھے۔ ۲۴ صفحات

۲۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہٗ صدارت۔ حزب اللہ کا اٹھارھواں سالانہ اجلاس (۱۹۴۵ء) سلامت حالت میں تھا۔ ۳۸ صفحات

۳۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہٗ صدارت۔ حزب اللہ کا اکیسواں سالانہ اجلاس (۱۹۴۸ء) دیمک اور پانی سے متاثر لیکن قابل قرأت۔ ۲۸ صفحات

۴۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہٗ صدارت۔ حزب اللہ کا بائیسواں سالانہ اجلاس (۱۹۴۹ء)۔ سلامت حالت میں تھا۔ ۲۸ صفحات

۵۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہٗ صدارت۔ حزب اللہ کا تیسواں سالانہ اجلاس (۱۹۵۰ء)۔ سلامت حالت میں تھا۔ ۲۴ صفحات

۶۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہٗ صدارت۔ حزب اللہ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس (۱۹۵۴ء)۔ دیمک اور پانی سے متاثر لیکن قابلِ قرأت۔ اس کا سائز چھوٹا ہوکر (۶x۷") ہوگیا۔ ۴۸ صفحات

۷۔ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ، سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ کا خطبہ صدارت۔ حزب اللہ کا اڑتیسواں سالانہ اجلاس (۱۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء)۔ سائز چھوٹا ہوکر (۴x۷") ہوگیا۔ ۱۶ صفحات

سید فضل شاہ صاحب کے دُنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بارِ امارت سید برکات شاہ صاحب کے

کاندھوں پر آن پڑا۔ آپ نے بھی حزب اللہ کے سالانہ جلسوں کی روایت کو برقرار رکھا۔ امیر حزب اللہ ثانی کا ایک خطبہ صدارت بھی مطبوعہ حالت میں یہاں موجود تھا۔

۸۔ سید برکات احمد شاہؒ امیر حزب اللہ (ثانی) سجادہ نشین جلال پور شریف کا خطبہ صدارت۔ حزب اللہ کا چھیالیسواں سالانہ اجلاس (۱۹۷۲ء) سائز صغیر (۴"x۷") ۔۶۴ صفحات

قاری بلال ثناء نے جلال پور شریف سے جاری ہونے والے ماہ نامہ "فکرِ حیدر" سے بھی زائرین کو متعارف کرایا۔

اس سفر کی اگلی منزل بھیرہ شریف تھی۔ ارادہ تو یہ تھا کہ عصر اور مغرب کے درمیان جامعہ مسجد بگویہ میں حاضری دی جائے لیکن سفر کی ناگزیر دُشواریوں کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ پیشگی اطلاع کے باعث امیر حزب الانصار صاحب زادہ ابرار احمد بگوی بعد از نماز عصر ہمارا انتظار کرتے رہے۔ جب مغرب کے بعد عرض کیا کہ ہم عشاء کے بعد حاضر ہوں گے تو جنابِ امیر نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے اجازت مرحمت فرمائی کہ آجایئے میں انتظار کروں گا۔ حالاں کہ ہمارے امیر سفر اور پہلے میزبان مفتی سہیل احمد سیالوی نے کسی بھی مرحلے پر طلب سے پہلے لذتِ کام ودہن کا بندوبست کیا لیکن بگوی صاحب نے بھی طلب سے پہلے انتظام کر رکھا تھا۔ ہم نے چائے اور اس کے لوازمات پر ہی اکتفا کیا اور زیادہ وقت اپنی نوعیت کے منفرد ذخیرۂ کتب کی زیارت میں بسر کیا۔ شیر شاہی مسجد جامعہ بگویہ کی شمالی جانب ایک دو منزلہ عمارت میں قائم بگویہ عزیزیہ لائبریری اپنی ترتیب، سلیقے، ذخیرۂ کتب مجلّات مخطوطات اور کتب تک رسائی کی حوالوں سے ایک عدیم النظیر لائبریری ہے۔

رات قریباً گیارہ بجے اجازت لے کر مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف پہنچے تو رنگ ہی کچھ اور تھا۔ ایک کنال سے زیادہ رقبے پر محیط کتب خانے میں اساتذہ، طلبا اور محققین محوِ مطالعہ تھے۔ رات گیارہ بجے اس طرح کا منظر تو ہم نے عروس البلاد کراچی، قلبِ پاکستان لاہور اور دار الحکومت اسلام آباد کی کسی جدید یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ہم بھی اپنے موضوع سے متعلق کتب دیکھتے رہے۔ مولانا ضیاء اللہ سیالوی کے تلامذہ جو الکرم فرینڈز نامی طلبہ تنظیم کے متحرک کارکنان بھی تھے نے قافلہ محققین کو جامعہ محمدیہ غوثیہ کے دفاتر، اساتذہ کے کمروں، لیکچر رومز، ہاسٹل اور صاف ستھرے برآمدوں کا دورہ کرایا تو رات کے اس پہر یوں محسوس ہوا جیسے ہم قرونِ اولیٰ کے بغداد میں ہیں اور نظام الدین طوسی کے جامعہ نظامیہ کے در و دیوار ہمارے سامنے ہیں۔ لاہور میں ہم نے بہت سی

یونیورسٹیز دیکھی ہیں جو رقبے، سہولیات اور طلبہ کی تعداد کے حوالے سے جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا مقابلہ نہیں کر سکتیں لیکن نہ جانے کیوں اسے ابھی تک یونیورسٹی کا درجہ نہیں دیا گیا۔ الکرم فرینڈز کا روشن اور شان دار دفتر دیکھا تو بتایا گیا کہ پیرامین الحسنات شاہ نے جامعہ میں اپنا دفتر الکرم فرینڈز کے حوالے کر دیا ہے۔ اب اس طلبہ تنظیم کے تحت ہر ماہ ''شبِ کرم'' کے نام سے ایک تربیتی نشست کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں طلبہ قدیم اور مہمان طلبہ کی ایک بڑی تعداد بھی شرکت کرتی ہے۔ یہ تربیتی نشست تمام رات برپا رہنے کے بعد نمازِ فجر پر اختتام کو پہنچتی ہے۔

رات بارہ بجے کے بعد اسی دفتر میں عشائیہ پیش کیا گیا۔ مزاراتِ مقدسہ کی حاضری اور نوافل سے فارغ ہو کر اجازت چاہی تو بتایا گیا کہ رات کے اس پہر آپ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے چائے آپ کی منتظر ہے۔ لوازمات کے ساتھ چائے نوش کرنے کے بعد رات ڈیڑھ بجے ہم لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں ہمارے میزبان جامعہ رحمانیہ رضویہ سوہاوہ کے نائب مہتمم مولانا ضیاء اللہ اور بھیرہ شریف میں مقیم ان کے تلامذہ تھے۔

اگلے اتوار ۲۲۔ اپریل ۲۰۱۸ء کو ہماری منزل جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ ضلع جہلم کی لائبریری کا حرم امام جزری والا حصہ تھا۔ اس دن شیخ الحجو دین مولانا قاری محمد یوسف سیالوی نے اپنے تلامذہ میں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے پہلے فرد (راقم) کو اعزازی اور یادگاری شیلڈ اور بہت سے دیگر تحائف اور انعامات سے نوازا۔ اس موقع پر استادِ گرامی اپنی بہو (راقم کی زوجہ) اور پوتے پوتیوں (راقم کے بچوں) کو بھی نہیں بھولے اور ان کے لیے بھی تحائف عطا فرمائے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اسکالر اعجاز احمد مسلسل لائبریری میں مصروف رہے۔ انھیں بھی شیرینی کا ڈبہ عنایت کر کے رُخصت کیا گیا۔

اگلے اختتام ہفتہ پر ہماری منزل تونسہ شریف تھی۔ مفتی سہیل احمد سیالوی کوٹ مومن میں ہمارے منتظر تھے۔ داتا کی نگری سے شروع ہونے والے ہمارے اس مقدس تحقیقی سفر کی پہلی منزل معظم آباد شریف تھی۔ رات کے دوسرے پہر مزار شریف پر حاضری ہوئی۔ خواجگان اور نہ ہی کسی خادم کو زحمت دی گئی۔ سلام عرض کر کے سیال شریف کے قریہ مقدسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس حاضری سے یہ معلوم ہوا کہ معظم آباد کے مزار شریف کے چاروں طرف موجود برآمدے کو گرا کر اس کی تعمیرِ نو کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ رات کے تیسرے پہر میں آستانِ جنت نشان سیال

شریف پہنچے تو حفظِ قرآن کریم کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد مزار شریف کے احاطے میں سو رہی تھی۔ لیکن خدام کی ایک تعداد حفاظت، زائرین کے استقبال اور رہنمائی کے لیے بھی مستعد تھی۔

حاضری، دُعا اور نوافل کی ادائیگی کے بعد ہمارا رُخ تونسہ مقدسہ کی طرف تھا۔ صبح تقریباً ساڑھے نو بجے تونسہ شریف کے مقدس در و دیوار نے ہمارا استقبال کیا۔ رات بھر کی نیند اور سفر کی تھکان کا اثر نظر آنا چاہیے تھا لیکن جیسے ہی مزاراتِ مقدسہ پر نگاہ پڑی تازگی کا وہ احساس ملا کی نینداور تکان جیسے نام کو بھی بھول گئے۔ ہماری میزبانی منیر ملنگ اور رمضان معینی صاحبان کو سونپی گئی۔ دونوں کی غیر موجودگی میں شیش محل کا مہمان خانہ ہمارے لیے کھلوا دیا گیا اور آرام کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا۔ مہمان خانہ قدیم و جدید سہولیات کا سنگم محسوس ہوا۔ قالین اور پنکھوں سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے وسط میں ایک جائے وضو اور فوارے کی باقیات بھی نظر آئیں۔ فرشی دسترخوان پر ہاتھ دُھلانے اور کلی کرنے کے برتن بھی وہاں موجود تھے۔ ہمارا اصرار تھا کہ ہمیں لائبریری تک رسائی دی جائے۔ رمضان معینی صاحب کو ان کے دفتر سے بلوایا گیا۔

مفتی سہیل صاحب نے سیال لجپال کا نعرہ لگایا اور مشورہ دیا کہ ہمیں جامعہ محمد یہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد کلیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ شیخ الحدیث صاحب ۸۰ کے پیٹے کے ایک خوش مزاج بزرگ تھے۔ مسکراہٹ تو ان کے ہونٹوں پر مسلسل رقصاں ہی رہی۔ ثقلِ سماعت اگر چہ ایک کم زوری ہے لیکن ان کی بزرگانہ اداؤں میں یہ بھی خوب صورتی معلوم ہوئی۔ آپ نے نہ صرف ہم غریب الوطن محققین کی مہمان نوازی کی بل کہ لائبریری کی چابیوں کا گچھا بھی ایک ساتھی کو تھما کر تاکید کی کہ ہمیں پوری تسلی سے لائبریری دیکھنے کا موقع دیا جائے۔ آپ نے بتایا کہ میں اسی مدرسے کا فارغ التحصیل ہوں اور پچاس سال سے یہیں تدریس میں مشغول ہوں۔ جامعہ محمود یہ پچھلی ڈیڑھ صدی سے برسر کار ہے۔ اس وقت جامعہ کے تحت شعبۂ حفظ اور درسِ نظامی کے علاوہ جدید تعلیم کے لیے عصری علوم کا بھی کام کر رہا ہے۔ شعبۂ حفظ اور اسکول میں مقامی طلبہ کی تعداد زیادہ ہے جب کہ درسِ نظامی کے طلبہ وطنِ عزیز کے دُور دراز علاقوں سے یہاں آئے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہے۔

اسی دوران منیر ملنگ بھی تشریف لے آئے۔ آپ اسم با مسمّیٰ تھے۔ عجز و انکسار، سادگی اور خلوص تو جیسے چھلکے جا رہے ہوں۔ آپ کی قمیص اور شلوار کا کپڑا ایک جیسا تھا اور نہ ان کے درمیان کوئی آہنگ محسوس ہوتا۔ پاؤں میں ربڑ کی چپل تھی لیکن دائیں پاؤں کا بائیں پاؤں سے رنگ اور ڈیزائن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ نے بتایا کہ میں پولیس میں ملازم تھا۔ عرس پر دربار کے احاطے میں ڈیوٹی لگی، سارا دن ڈیوٹی کے بعد دربار پر حاضری دی تو دِل کی دُنیا

تبدیل ہوگئی۔سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے مرشد کے دربار پر آن بیٹھا ہوں۔اب دربار، خواجگان اور زائرین کی خدمت میں ہی شب و روز گزرتے ہیں۔ناشتے بارے پوچھا، ہم نے عرض کی کہ ہم لائبریری کی زیارت میں مصروف ہیں اس لیے ناشتے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ملنگ صاحب نے کہا کہ میں ظہرانہ تیار کروائے دیتا ہوں۔ہم سب نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور دو منزلوں پر محیط لائبریری کا مطالعہ شروع کر دیا۔لائبریری واقعتاً قدیم جواہرات کا عدیم النظیر خزینہ ہے۔

درسِ نظامی کی کتب کے وہ قلمی نسخے جو خواجگانِ تونسہ کے ذاتی مطالعے میں رہے اور جن سے وہ اپنے خلفا کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے رہے اپنی پوری شان کے ساتھ وہاں موجود ہیں۔عربی، فارسی ادب اور فقہ کی کلاسیکی کتب کے مخطوطات بھی دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ جامعہ محمودیہ تونسہ شریف کی لائبریری کے تمول (Richness) کا اندازہ کرنے کے لیے نہ صرف درسِ نظامی بل کہ عربی اور فارسی ادب کی کلاسیکی روایت سے آگاہی بھی ضروری ہے۔لائبریری کھل گئی تو رمضان معینی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ہماری کچھ مطلوبہ کتب جن سے متعلق شنید تھی کہ وہ تونسہ شریف کی لائبریری سے دستیاب ہو جائیں گے لیکن ہمیں وہاں نظر نہیں آئیں۔آپ نے بتایا کہ آپ کی مطلوبہ کتب کی عکسی نقول میرے گھر پر موجود ہیں۔ہمارے لیے یہ خوشگوار حیرت کی بات تھی۔ہم نے درخواست کی کہ ہم وہ نقول دیکھنا چاہتے ہیں۔معینی صاحب نے پوری محبت سے اپنے ساتھ گھر چلنے کی دعوت دی۔

ہم مزارات اور دارالعلوم کی حدود سے نکلے تو میزبان نے بڑے خلوص سے ایک ہوٹل پر چائے کی دعوت دی۔ہم نے صفائی ستھرائی اور معیار کے حوالے سے تحفظات کا اظہار کیا تو آپ نے سینہ ٹھونک کر حفظانِ صحت اور معیار پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔چائے واقعتاً معیاری تھیں اور اس کے ساتھ پیش کیا جانے والا سوہن حلوہ تو بے مثال تھا۔یہ تونسہ شریف میں ہمارا ناشتہ تھا جو دوپہر ایک بجے نصیب ہوا۔معینی صاحب کا گھر علم دوست بل کہ فنا فی العلم شخصیت کا گھر تھا۔گھر کا بیرونی کمرہ کتب، رسائل اور عکسی نقول سے بھرا نہیں اٹا پڑا تھا۔جس طرح فرانس کے ڈاکٹر حمید اللہ کے فلیٹ میں جنرل ضیاء الحق کو بٹھانے کے لیے کتب کو ہٹایا گیا اسی طرح ہم تین مسافروں مفتی سہیل سیالوی، پی۔ایچ۔ڈی اسکالر اعجاز احمد اور راقم کو بٹھانے کے لیے فرش پر رکھے رسائل و مجلّات کو دیوار کے قریب کتب کے اوپر رکھ کر جگہ بنائی گئی۔جنرل ضیاء الحق تو شاید بے تکلفی سے فرش پر بیٹھ گئے ہوں گے لیکن ہم ظاہر داری اور نام نہاد تقویٰ کو خود سے جدا نہ کر سکے تو معینی صاحب کھجور کے تنکوں سے بنی ایک جائے نماز لے آئے جسے ہماری

نشست کے لیے بچھا دیا گیا۔ کتب کے اتنے بڑے ذخیرے کو چوں کہ تھوڑے وقت میں تفصیل سے دیکھنا ممکن نہ تھا اس لیے عصر کے بعد کا کہہ کر ہم واپس دربار شریف آ گئے۔ ظہر کی نماز پڑھی تو میزبان ملنگ صاحب کھانا لے آئے۔ کھانا کھا کر ہم لوگ سو گئے۔ عصر کے وقت اُٹھ کر غسل کیا۔ نماز پڑھی، دربار کے احاطے میں موجود دُکان سے کچھ کُتب خریدیں، مزارات پر الوداعی حاضری دی اور معینی صاحب کی طرف روانہ ہو گئے۔ عین مغرب کے وقت ان کے ہاں پہنچے۔ گھر جانے سے پہلے تونسہ کے تاریخی قبرستان کے ہمسائے میں قائم مسجد میں باجماعت نماز ادا کی۔ تونسہ شریف کے حوالے سے زندہ اور چلتے پھرتے دائرۃ المعارف معینی صاحب نے بتایا کہ تونسہ مقدسہ کے اس شہر خموشاں میں بسنے کے لیے پختون خواہ اور افغانستان کی بڑی بڑی ہستیاں وصیت کر جاتی ہیں۔ بعد از وفات ان کے اجسادِ خاکی کو تدفین کے لیے یہاں لایا جاتا ہے۔

گھر پہنچے تو لوڈ شیڈنگ کے باعث روشنی ندارد۔ دو تین موبائل فونز کی روشنی میں تحقیق کا سفر جاری رہا۔ اس دوران گھر سے چائے بن کر آ گئی۔ جس طرح لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، اس چائے نے بھی گرمی کے احساس کو کم کیا۔ چائے کے دوران محقق اعجاز احمد نے میزبان سے ان کی علم دوستی اور کتب سے محبت کا پس منظر جاننا چاہا تو آپ نے بتایا کہ سات پُشت سے ہمارا خاندان خواجگانِ تونسہ سے وابستہ ہے۔ میرے جدِ امجد مولانا نور محمد صاحب حضرت خواجہ نور محمد نارووال والوں کے مرید اور مدرسہ تونسہ شریف میں استاد تھے۔ ان کے صاحبزادگان میں مولانا احمد تونسوی بھی اسی درس گاہ کے مدرس رہے۔ مولانا گل محمد اور اگلی لڑی میں مولانا غلام نبی پھر میرے پڑدادا مولانا احمد دین، دادا مولانا محمد یوسف اور والدِ گرامی فیض محمد اسی آستانے سے وابستہ رہے۔ کتب کے بے ترتیب ذخیرہ کی طرف اشارہ کر کے معینی صاحب بڑے اطمینان سے گویا ہوئے: ''ساتویں پُشت ہے اس دَشت کی سیاحی میں''
رات گئے معینی صاحب کے گھر سے روانہ ہوئے تو بہت سی عنایات اور کچھ عنایات کے وعدے ہمارے ساتھ تھے۔

تونسہ بیراج سے آگے بڑھے تو لیہ شہر سے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر سڑک کے دونوں طرف کچھ سگانِ آوارہ موافقت اور مسابقت کرتے نظر آئے۔ اعجاز صاحب نے بتایا کہ آج صبح بھی قریباً اسی علاقے میں ایک سگِ آوارہ گاڑی کو چھو کر گذرا تھا۔ ابھی ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ دائیں جانب سے درجن بھر ہم جنس آوارہ مخلوق کے جیالے سڑک کی جانب مسابقت کرتے ہوئے تیزی سے بڑھے۔ باقی تو گزر گئے لیکن ان میں سب سے پھسڈی ہماری گاڑی کے سامنے حصے سے ٹکرا گیا۔ ہماری رفتار سو کلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ تھی۔ اس سگِ آوارہ کا کیا بنا، ہم نہیں جانتے، لیکن اس تصادم کے بعد قریباً ایک سو قدم آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ گاڑی کو بھی اس سے کافی صدمہ پہنچا ہے

اس لیے ہم اپنے سفر کو مزید جاری نہیں رکھ سکتے۔ جہاں ہم رُکے وہاں سڑک کے کنارے کچھ دُکانیں اور عقب میں ایک آبادی بھی تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا اس کے باوجود بہت سے مقامی لوگ ہمیں کھانے، چائے اور حتیٰ کہ اپنے گھروں میں آرام کی دعوت دینے آئے۔ اس دوران کچھ آٹو مکینک بھی گاڑی کا معائنہ کرنے آئے۔ سب اس بات پر متفق تھے کہ اس مقام پر گاڑی کی مرمت ممکن نہیں ہے۔ اسے قریبی شہر لے جانا پڑے گا۔ ریسرچ اسکالر اعجاز صاحب نے چوک اعظم میں مقیم اپنے بھائی کو فون کیا۔ وہ قریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ہمارے مدد کو پہنچ گئے۔ سحری کے وقت قریباً تین بجے لیہ سے ہمیں لاہور جانے والی بس میں بٹھا دیا گیا۔ صبح آٹھ بجے لاہور پہنچے تو تونسہ مقدسہ کا یہ سفر اختتام پذیر ہوا۔

اپریل ۲۰۱۸ء کے آخری اتوار کو ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) نے جی سی یونیورسٹی کے تین اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ، ڈاکٹر عابد ندیم اور ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کو HEC کے دو مجوزہ پراجیکٹس کے سلسلے میں اسلام آباد طلب کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب کو اپنے پراجیکٹ

"Annotated Bibliography of Orientalists' Works on Islamic Learning."

کے دفاع کے لیے اور راقم کو اس کے پراجیکٹ

"Sufis of Lahore and Their Contribution in the Promotion of Interfaith Harmony and Peace"

کی اعتباریت کو ثابت کرنے کے لیے HEC کے اسلام آباد مرکز میں بلایا گیا تھا۔ ڈاکٹر عابد ندیم مستشرقین والے پراجیکٹ میں ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب کے معاون کی حیثیت سے ساتھ تھے۔ اتوار صبح چھے بجے شروع ہونے والا سفر آدھی رات کے بعد لاہور واپسی پر پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جی۔ ٹی روڈ سے اسلام آباد جاتے ہوئے جب ہماری سواری دینہ کے قریب سے گذری تو استاد زادہ مفتی سہیل احمد سیالوی کی خدمت میں فون کے ذریعے سلامِ عقیدت عرض کیا۔ آپ نے واپسی پر کھانے اور چائے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب نے چائے کی دعوت قبول کی۔ شام

آٹھ بجے برلبِ سڑک ''الکوثر ہوٹل'' میں ہمارا استقبال کیا گیا اور پُر تکلف چائے سے تواضع کی گئی۔

یہ مئی ۲۰۱۸ء کا پہلا اختتامِ ہفتہ تھا جب ہم نے مکھڈ شریف کے لیے رختِ سفر باندھا۔ رات بارہ بجے لاہور سے روانہ ہوئے تو دِن چڑھے ہم فتح جنگ پہنچ چکے تھے۔ مفتی سہیل صاحب اس سے ایک دِن قبل حضور شمس العارفین کی ایک درس گاہ میکی ڈھوک اور تونسہ شریف کے ایک خلیفہ کے دربار، [خواجہ احمد میرویؒ] میرا شریف کی زیارت کر چکے تھے۔ خواجہ شمس العارفین کے استاد میاں محمد افضل جن سے سات سالہ شمس الدین نے ۱۸۰۶ء میں حفظِ قرآن کریم کے بعد ''کریما'' اور ''نامِ حق'' کی تعلیم حاصل کی، اس قدر محترم بزرگ تھے کہ ان کے گاؤں کا نام آپ کے حوالے سے ''میاں کی ڈھوک'' رکھا گیا جو بعد ازاں کثرت استعمال سے ''میکی ڈھوک'' ہوگیا۔

فتح جنگ سے جھمٹ چوک تک مفتی صاحب سے مسلسل رابطہ رہا جہاں آپ، قاری محمد انور سیالوی اور قاری محمد عبداللہ سیالوی کی معیت میں ناشتے کی میز پر ہمارے منتظر تھے۔ ناشتے کے بعد چائے پیش کی گئی۔ وہ چائے اتنی میٹھی تھی جیسے گنے کے رَس کو برف ڈالے بغیر پیش کر دیا گیا ہو۔ جھمٹ چوک سے ہم رکاب ہوتے ہی مفتی صاحب نے ایک حوصلہ افزا اطلاع دی۔ آپ نے بتایا کہ تونسہ شریف سے واپسی پر میں نے والدِ گرامی شیخ المجو دین مولانا قاری محمد یوسف سیالوی کو جب رمضان معینی صاحب کے علم، کتب اور تاریخ مشائخِ چشت سے تعلق، ان کا فنا فی العلم ہونا اور دُنیاوی مال و منال سے ان کے استغناء سے آگاہ کیا تو آپ نے فوراً اس درویشِ علم اور اس کے خاندان کے ہر فرد کے لیے لباس اور کچھ نقد نذر بھی روانہ فرما دی۔ یہ وابستگانِ پیر سیال کی پختہ روایت ہے جس کے شیخ المجو دین سچے امین ہیں۔ مختلف منازل طے کرتے ہوئے ہم ایک چھوٹی سڑک پر مڑنے لگے تو بورڈ پر ''نکہ افغاناں'' لکھا تھا۔ محقق اعجاز نے بتایا کہ یہاں سے مکھڈ ۱۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ میں جب قریباً دو برس قبل مکھڈ شریف حاضر ہوا تو یہاں سے پا پیادہ چلتے ہوئے ہی منزلِ مقصود تک پہنچا تھا۔

راستے میں ایک ٹیلے پر رُک کر بتایا کہ یہاں سے مکھڈ کی بستی واضح نظر آتی ہے۔ یہاں میں نے رُک کر آرام کیا تھا۔ صبح قریباً ساڑھے دس بجے ہم مکھڈ شریف کی پاکیزہ ہوا میں سانس لے رہے تھے۔ مکھڈ کا قصبہ قریب آیا تو راقم اور مفتی سہیل صاحب اس قصبے کی وجہِ تسمیہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ راقم نے خیال ظاہر کیا کہ اس لفظ کے

شروع کی میم شاید ''مہا'' یعنی ''بڑا'' کا مخفف ہے اور ''کھڈ'' کا معنی گڑھا ہے۔ مفتی صاحب نے میری بات سنی لیکن اتفاق یا اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ جب مکھڈ شریف پہنچ کر ہم نے اپنی آمد کی اطلاع دی تو مولوی فتح دین صاحب نے شفقت فرماتے ہوئے ہمیں فوراً باریاب کیا۔ اپنی گفتگو کے دوران بزرگوار نے خود ہی لفظ ''مکھڈ'' کی توضیح کی جس سے راقم کی رائے کی تائید ہوگئی۔ واپسی کے سفر کے دوران اسکالر اعجاز سے پھر اس لفظ پر بات ہوئی تو میں نے ان کی تفہیم کے لیے مکھڈ کا ترجمہ The great basin of life یا The great Reservoir of life کیا اور کہا حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد علی مکھڈی کے مزار سے متصل لائبریری بھی A great Reservoir of Knowledge ہے۔

مولانا محمد علی مکھڈی کے مزار سے متصل قدیم مسجد کے صحن کے انتہائی بائیں جانب منبر کی طرح تین سیڑھیاں موجود ہیں۔ پہلی ہی نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان سیڑھیوں نے سینکڑوں ماہ وسال دیکھ رکھے ہیں۔ تیسری اور سب سے بلند سیڑھی کے عین درمیان میں لوہے کی ایک چوکور پٹی نصب ہے، جس پر خاص قسم کے خطوط کندہ ہیں۔ لوہے کی اس پٹی کے درمیان میں ایک عمودی سلاخ ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک نئی چیز تھی۔ باہمی گفت وشنید کے بعد طے ہوا کہ یہ قدیم زمانے کی جائے اذان ہے۔ وسطی دھاتی پٹی اور عمودی سلاخ شمسی گھڑی ہے جو اپنے بڑھتے گھٹتے سائے سے اشراق، چاشت، زوال، ظہر اور عصر کے اوقات کو ظاہر کرتی تھی۔ بعد ازاں ڈاکٹر ساجد نظامی نے بتایا کہ اس گھڑی میں عمودی سلاخ کا گھٹتا بڑھتا سایہ (پرچھاواں) وقت کا تعین کرتا ہے اس لیے اسے مقامی زبان میں ''پرچھاویں والی گھڑی'' کہتے ہیں۔

یہاں میزبان ڈاکٹر محمد ساجد نظامی کی مہمان نوازی، معاملہ فہمی، علم دوستی اور کتب سے محبت بھی قابلِ رشک تھی۔ آپ اپنے اجداد کی سچی تصویر ہیں۔ آپ کا ذخیرۂ کتب بے مثال اور اس کی ترتیب علمی ضرورتوں کے عین مطابق ہے۔ مکھڈ شریف کی لائبریری کا طرزِ تعمیر بانیان کے اعلیٰ تعمیری ذوق کا آئینہ دار اور اپنے زمانے کی ضروریات کے عین مطابق تھا۔ ۲۵x۱۵ کا ایک کمرہ جس کے چاروں طرف دروازے۔ بیرونی دروازہ باہر کی جانب تکونی شکل کا جالی دار اُبھار لیے ہوئے تا کہ ہوا اور روشنی تمام دِن بلا روک ٹوک میسر رہے۔ اس مرکزی دار المطالعہ کی چاروں دیواروں کے ساتھ کتب سے بھری مقفل الماریاں سلیقے سے رکھی تھیں۔ قدیم کتب کو مضبوط جلد بندی اور پُشت پر نام لکھ کر ایک خاص ترتیب سے رکھا گیا تھا۔ اس لائبریری کے مجموعی طور پر چار حصے ہیں۔ مذکورہ بالا مرکزی دار المطالعہ کے علاوہ داخلی دروازے سے پہلے برآمدے میں مصنفینِ اٹک کی کتب، اٹک سے شائع ہونے والے رسا

ئل اور سلسلۂ چشتیہ کے حوالے سے جدید تحقیقی کتب کو سجایا گیا ہے۔ اسے گوشۂ نذر صابری کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ برآمدے کی بائیں جانب ایک کمرے میں نوادراتِ مکھڈ کا گوشہ ہے۔ جن تک محققین کی رسائی ابھی ممکن نہیں۔ یہ منصوبہ ابھی زیرِ تکمیل ہے۔

کتب خانہ کے مرکزی ہال میں مطبوعہ کتب کے علاوہ مخطوطات کی بھی ایک بڑی تعداد محفوظ کی گئی ہے۔ ہمارے میزبان ڈاکٹر محمد ساجد نظامی کی خواہش تھی کہ ملکی یا بین الاقوامی ماہرین کو مکھڈ شریف میں محفوظ مخطوطات اور قلمی نسخوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کیوں کہ ''اناڑی کا کھیلنا ہے کھیل کا ستیاناس'' عام محققین کی ان نایاب جواہر تک رسائی استفادے سے زیادہ فساد کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لائبریری کا ایک الگ تھلگ کمرہ جدید کتب، رسائل، جامعات اور اداروں کے تحقیقی مجلّات کے لیے مخصوص ہے۔ راقم نے جی۔سی یونیورسٹی کے سالنامے ''راوی'' کے ۲۰۱۴ء،۱۵ء کے شمارے پیش کر کے لائبریری کے اس حصے کے رونق میں اضافہ کیا۔ مولانا محمد علی مکھڈی کی یادگار اس مدرسہ، خانقاہ اور لائبریری سے ایک سہ ماہی تحقیقی مجلّہ ''قندیلِ سلیماں'' نکلتا ہے جس کے کچھ شمارے محققین کی نذر کیے گئے۔ ائیر کنڈیشنڈ سے مزین مہمان خانے میں پُر تکلف ظہرانے کے بعد جس میں خاص طور پر ''مکھڈی حلوہ'' بھی شامل تھا۔ چائے کی فرمائش ہم نے اسی لائبریری میں کی۔ چائے آئی تو وہ جھمٹ چوک والی چائے سے مختلف نہ تھی یعنی گرم گرم گنے کا رس۔

ڈاکٹر نظامی سے اجازت لے کر ہم نے مکھڈ کی حدود میں موجود دیگر مزارات کو دیکھا۔ کسی کی عمارت خستہ، کسی کا دروازہ مقفل۔ گیارھویں والے، لال بادشاہ اور نوری بادشاہ کے مزارات پر حاضری دی۔ یہاں ''نے چراغِ نے گلے'' والا معاملہ تھا۔ یہاں سے ہم دریائے سندھ کے کنارے موجود اُن غاروں کی زیارت کے لیے گئے جن میں دارالعلوم مکھڈ شریف کے دورِ عروج کے طلبا موسمِ گرما میں ذاتی مطالعے اور باہمی تکرار کے لیے جمع ہوتے۔ ان میں سے ایک دو غاروں سے متعلق بتایا گیا کہ یہاں حضور شمس العارفین اپنے دورِ طالب علمی میں مطالعے اور تکرار کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ مکھڈ شریف میں خواجہ شمس الدین کا قیام ۱۳۔ برس تک رہا۔ چوں کہ ۱۸۔ سال کی عمر میں آپ اپنے استاد مولانا محمد علی مکھڈی کے ہمراہ تونسہ شریف بیعت ہونے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے اندازاً مکھڈ شریف میں آپ کا زمانہ قیام ۱۸۰۷ء سے ۱۸۲۰ء تک بنتا ہے۔

دریا کے کنارے ایستادہ پختہ مندر کی عمارت سے مولانا محمد علی مکھڈی کی خدمات کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوا۔ مغلیہ حکومت کے دورِ زوال، سکھوں کے دورِ استبداد اور بعد ازاں انگریزوں کے دورِ جبر میں مولانا محمد علی

مکھڈی اور آپ کے اخلاف نے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی شمع کو کس خلوص اور جہد سے روشن رکھا۔ دریا سے واپسی پر ہم شہر کے اندر قدیم جامع مسجد مکھڈ اور اس کے داخلی دروازے کی چھت پر اس حجرے کی زیارت کے لیے گئے جہاں شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی نے کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ مسجد سے متعلق علم ہوا کہ یہاں جن جبینوں کو سجدہ ریز کیا جاتا ہے وہ اولیا کی محبت سے محروم ہیں۔ اسی لیے حضور شمس العارفین کا غرفۂ تعلیم اپنی آخری سانسیں لے چکا ہے۔ اس کی چھت اور فرش دونوں زمین بوس ہو چکے ہیں۔ کسی بیرونی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے اس زمین بوس غرفۂ تعلیم کے گرد قنات تو لگا دی گئی ہے لیکن اس کی مرمت اور بحالی کا کوئی سامان نظر نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی مرمت اور بحالی کا کام اہلِ محبت کی ذمہ داری ہے، محبت سے محروم لوگ اپنی جبینوں پر بہت گہرے رنگ کی محرابیں تو سجا سکتے ہیں لیکن کسی ولی کی جائے تعلیم یا جائے عبادت کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ بوجھل دِل کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔

واپسی کے سفر میں جامعہ شمسیہ ضیاء القرآن کھوکھا شریف اور جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ کے بہت سے فیض یافتگان راقم کو ایک سینیئر استاد بھائی اور مفتی سہیل صاحب کو استاد زادہ ہونے کے ناطے اپنے درِ دولت پر رُکنے کی دعوت دیتے رہے لیکن مسافت زیادہ ہونے کے سبب سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم پنڈی گھیب بر لب سڑک قاری نور محمد صاحب کے ہاں جا رُکے۔ مغرب کی نماز ادا کر لی تو ایک پُر تکلف چائے ہماری منتظر تھی۔ سفر کی تکان کے سبب لوازمات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چائے کے کپ کو لب لگائے تو اسے لب ریز، لب دوز اور لب سوز پایا۔ یعنی جھمٹ چوک اور مکھڈ شریف کے معیار کو برقرار رکھا گیا تھا۔ گنے کے رس کی گرم صورت کو راقم پھر حلق سے نیچے اُتارنے میں ناکام رہا۔ استاد بھائی قاری نور محمد صاحب نے چائے کا کوئی بھی متبادل پیش کرنے کی درخواست کی۔ کچھ غور و فکر کے بعد آئس کریم پر اتفاق ہوا جسے چائے نہ پینے والوں نے ذوق سے کھایا۔

فتح جنگ سے اسلام آباد پہنچے تو پی۔ ایچ۔ ڈی اسکالر اعجاز احمد صاحب کو اپنا منتظر پایا جو مکھڈ سے تقریبا تین بجے دوپہر سی۔ ایس۔ ایس، کی کلاس پڑھانے کے لیے اسلام آباد آ چکے تھے۔ استاد زادہ مفتی سہیل سیالوی، استاد بھائی قاری محمد انور سیالوی اور قاری محمد عبداللہ سیالوی سے رُخصت ہو کر ہمارا قافلہ صبح تین بجے لاہور پہنچا۔ ریسرچ اسکالر اعجاز احمد کے پاس خواجہ سلیمان تونسوی کے فیض کی بہت سی قندیلیں اور تاریخ مکھڈ پر کچھ کتب ہمارا حاصلِ سفر تھا۔

☆☆☆

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور

پروفیسر نصیرالدین شبلی☆

ریاست بہاولپور میں تحفظِ ناموسِ رسالت یعنی تحفظِ ختم نبوت کا ایک ایسا مہتم بالشان کارنامہ ظہور پذیر ہوا ؛جس کی برکت سے اس ریاست کو عالمِ اسلام میں ممتاز ترین مقام مل گیا،اس کی قدرے تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو ایک خاتون مسماۃ غلام عائشہ بی بی کی طرف سے عدالت احمد پور شرقیہ میں تنسیخِ نکاح کا مقدمہ دائر کیا گیا،اس میں استدعا کی گئی کہ میں ایک مسلمان خاتون ہوں،میرا نکاح مسمی عبدالرزاق سے کیا گیا مگر میرا ناکح مسمی عبدالرزاق حال ہی میں مرزائی ہو گیا ہے،لہٰذا اس کے ساتھ میرا نکاح فسخ کیا جائے،حضرت محدث گھوٹویؒ ، بہ حیثیتِ شیخ الجامعہ اس عدالت میں اہلِ اسلام کی طرف سے پیش ہوتے رہے مگر مرزائی ناکح عبد الرزاق کی درخواست اور خواہش پر یہ مقدمہ تحصیل کورٹ احمد پور شرقیہ سے ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور میں منتقل کر دیا گیا۔

جب یہ مقدمہ ۷ مئی ۱۹۲۷ء کو بہاولپور میں پہنچا تو حضرت بحر العلوم محدث گھوٹویؒ نے اس کی پیروی کے لیے انجمن مؤید الاسلام بہاولپور قائم کی۔ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور کے جج جناب منشی محمد اکبر خاںؒ نے ایک سال چھ ماہ کی سماعت کے بعد اس مقدمہ کو ہائی کورٹ پٹنہ اور ہائی کورٹ لاہور کی پیروی کرتے ہوئے (بامر مجبوری) مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۸ء کو خارج کر دیا،تمام اہل اسلام کو اس سے بہت دُکھ پہنچا۔

حضرت محدث گھوٹویؒ نے چیف کورٹ بہاولپور میں مذکورہ بالا فیصلے کے خلاف اپیل دائر فرمائی،لیکن چیف کورٹ بہاولپور نے بھی ہائی کورٹس پٹنہ اور لاہور کی پیروی کرتے ہوئے نیز ہائی کورٹ مدراس کے تازہ فیصلے کی پیروی کرتے ہوئے (جو اُسی دوران صادر ہوا تھا) ۱۰ جون ۱۹۳۱ء کو یہ اپیل خارج کر دی۔اہلِ اسلام میں ہیجان پیدا ہو گیا،غم اور غصّے نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اس موقع پر حضرت بحر العلوم محدث گھوٹویؒ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ جب تک دربار بہاولپور (عدالت معلّٰی بہاولپور) یعنی سپریم کورٹ آف بہاولپور کی جانب سے اس مقدمہ کو ہائی کورٹس پٹنہ، مدراس اور لاہور کے فیصلہ

☆ نبیرہ شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ (ر) پروفیسر، ملتان

جات سے استثنائے خاص نہیں دلوایا جائے گا، اس کا منصفانہ، حقیقی اور اسلامی فیصلہ صادر نہیں ہو سکے گا، چناں چہ آپ نے دربار بہاولپور (عدالت معلّٰی بہاولپور) میں اپیل ثانی برائے حصول استثنائے خاص دائر کر دی۔

شکر خدائے ذوالجلال! کہ عالی جناب وزیر اعظم بہاولپور سردار نبی بخش سندھی ولد سردار محمد حسین سندھی

مرحوم ومغفو

نے اس اپیل کو سماعت کے لیے منظور کر لیا۔

قصہ مختصر، دربار بہاولپور (عدالت معلّٰی بہاولپور) کا اجلاس ۲۱ دسمبر ۱۹۳۱ء کو منعقد ہوا، حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی ؒ اپیل کی پیروی کے لیے پیش ہوئے، آپ ؒ نے یک صد صفحات پر مشتمل اپنا بیان دربار بہاولپور کے موَقرارا کین کے سامنے پیش فرمایا نیز عدالت کے فرمان پر زبانی بیان بھی جو کہ دس گھنٹوں پر مشتمل تھا، عدالت کے رُوبرو پیش فرمایا اس طویل مضمون میں سے صرف ایک آیت اور اس کی مختصر تفسیر یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً﴾.

ترجمہ: محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور ذریعۂ ختمِ انبیا ہیں (آپ کے ذریعۂ سلسلۂ انبیا کا اختتام ہوا)۔

نوٹ: خاتَم اسم آلہ ہے اس لیے اس کا ترجمہ ''ذریعۂ ختم'' کیا گیا ہے۔

تفسیرِ جلالین میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ فَلَا يَكُونَ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنٌ رَجُلٌ بَعْدَهُ يَكُونُ نَبِيّاً. وَفِيْ قِرَائَةٍ بِفَتْحِ التَّاءِ كَآلَةِ الْخَتْمِ اَیْ بِهٖ صلی اللہ علیہ وسم خُتِمُوْا.

ترجمہ: لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین، چوں کہ آپ ﷺ کے بیٹے نبی بنتے اس لیے زندہ نہ رہے۔ حضرت عاصم ؒ کی قرأت میں خاتَم تا کی زبر کے ساتھ ہے، جس کا معنی آلۂ ختم ہے، اس قرأت کی رُو سے آپ ﷺ خاتَم یعنی ''بمنزلۂ آلۂ ختم'' ہیں، جن کے ذریعے سلسلۂ انبیا کو ختم کیا گیا۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے: هَذِهِ الآيَةُ نَصٌّ فِيْ اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَ اِذْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُوْلَ،

بِالطَّرِيْقِ الاَوْلٰی وَالاخرىٰ، لِاَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ اَخَصُّ مِنْ مَقَامِ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ آں حضورﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جب نبی نہیں ہوگا تو رسول بھی بہ طریقِ اولیٰ نہیں ہوگا، کیوں کہ مقامِ رسالت اخص ہے بہ نسبت مقامِ نبوت کے۔

(جب عام کی نفی ہوگئی تو خاص بہ طریقِ اولیٰ منفی ہو جائے گا، مثلاً جب کوئی شخص پاکستانی ہی نہیں تو وہ ملتانی بھی نہیں ہوگا)۔

تنویرالمقباس من تفسیر ابن عباسؓ میں ہے: وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْن، خَتَمَ اللّٰهُ بِهِ النَّبِيِّيْنَ قَبْلَهٗ فَلَا يَكُوْنُ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ.

ترجمہ: خاتم النبیین، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے انبیائے کرام کا سلسلہ ختم کر دیا، چناں چہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

تفسیر الخازن میں ہے: خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ، خَتَمَ اللّٰهُ بِهِ النُّبُوَّةَ فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدَهٗ اَیْ وَلَا مَعَهٗ، قَالَ ابن عباس يُرِيْدُ لَوْ لَمْ اَخْتِمْ بِهِ النَّبِيِّيْنَ لَجَعَلْتُ لَهٗ اِبْناً وَ يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيّاً، وَ فِیْ الخازن أيضاً اَنَّ عيسٰى عليه السلام مِمَّنْ نُبِّئَ قَبْلَهٗ وَحِيْنَ يَنْزِلُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ يَنْزِلُ عَامِلاً بِشَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم وَمُصَلِّياً اِلٰى قِبْلَتِهٖ كَاَنَّهٗ بَعْضُ اُمَّتِهٖ.

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپﷺ کے ذریعے سلسلۂ نبوت کو ختم فرمایا، چناں چہ نہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی آپ کے زمانہ میں۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا ہے کہ آیت ما کان محمد الخ میں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں نے آں حضورﷺ کے ساتھ ہی سلسلۂ انبیا کا اختتام نہ کر دیا ہوتا تو اپنے حبیبﷺ کے بیٹے کو زندگی عطا کرتا اور وہ نبی ہوتے، اسی طرح تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن انبیا میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے ظہور سے قبل نبوت عطا فرمائی تھی اور جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے تو شریعتِ محمدیہ پر ہی عمل کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے قبلہ المسجد الحرام کی طرف ہی منہ کر کے نماز ادا فرمائیں گے (نہ کہ اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف) گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضور محمد مصطفیٰﷺ کی امت کے ایک فرد ہوں گے۔

تفسیر المدارک میں ہے، خاتم النبیین ،أی آخر النبیین ترجمہ: خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ،اسی طرح تفسیر ابنِ جریر میں ہے کہ خاتم النبیین کے معروف معنی آخری نبی کے ہیں، نیز تفسیر ابوسعود حاشیہ تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۴۴۹ میں بھی خاتم النبیین کے معنی آخری نبی لکھے ہیں، اسی طرح خود تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۵۸۱ میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی بیان کیے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ بہ حسبِ لغت اور عُرف، خاتم کا معنی آخری ہوتا ہے، لہٰذا لغت اور عرف دونوں سے ختمِ نبوتِ زمانی کی تصدیق ہوگئی ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: **وخاتَمَ النبیین آخِرَهُمُ الَّذِیْ خَتَمَهُمْ اَوْ خُتِمُوْا بِهٖ المراد انَّهٗ آخِرُ مَنْ نَبِیءَ وَ کَانَ اللّٰه بکل شیءٍ علماً. فَیَعْلَمُ من یلیق بان یختم به النبوة و کیف ینبغی شانهٗ.**

ترجمہ: خاتم النبیین، آخر النبیین جنھوں نے سلسلۂ انبیا کا اختتام فرمایا؛ یا جن کے ذریعہ سلسلۂ انبیا کا اختتام کیا گیا، مراد یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سلسلۂ نبوت کے آخری فرد ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، پس وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ کونسی ہستی اس لائق ہے کہ اس کے ذریعہ سلسلۂ نبوت کا اختتام کرے اور یہ کہ اس ہستی کی شان کیسی ہونی چاہیے؟

تفسیر روح المعانی میں ہے: **وَالخَاتَمُ اِسْمُ آلَةٍ لِمَا یُخْتَمُ بِهٖ کَا الطَّابَعِ لِمَا یُطْبَعُ بِهٖ فَمَعْنیٰ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ الَّذِیْ خُتِمَ النَّبِیُّوْنَ بِهٖ وَ مآ لُهٗ آخر النبیین وَقَرَأَ الجمهورُ وَخَاتِمَ بکسر التاء علیٰ انَّهٗ اِسْمُ فاعلٍ اِیْ "اَلَّذِیْ خَتَمَ النَّبِیّٖنَ" وَالْمُرادُ بِهٖ آخِرُهُمْ.**

ترجمہ: خاتَم، تا کی زبر (فتح) کے مطابق، اسمِ آلہ ہے، جو ذریعہ ختم کے معنی میں بولا جاتا ہے، پس خاتم النبیین کا معنی ہے، سلسلۂ انبیا کو ختم کرنے کا ذریعہ۔ مآلِ کار، اس کا معنیٔ معروف، آخری نبی ہے۔ جمہور کی قرأت خاتِم، تا کی زیر (کسرہ) کے مطابق، یہ اسمِ فاعل ہے، یعنی "سلسلۂ انبیا کو ختم کرنے والے" اور اس سے مراد آخری نبی ہیں، مذکور بالا حوالہ میں لغت اور عرف دونوں کے مفاہیم درج ہوگئے ہیں۔

التفسیرات الاحمدیہ از علامہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے: **"وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" اَیْ لَمْ یُبْعَثْ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ قَطُّ وَاِذَا نَزَلَ بَعْدَهٗ عیسی علیه السلام فَقَدْ یَعْمَلُ بِشَرِیْعَتِهٖ وَیَکُوْنُ خَلِیْفَةً لَهٗ وَلَمْ یَحْکُمْ بِشَطْرٍ مِنْ شَرِیْعَةِ نَفْسِهٖ وَاِنْ کَانَ نَبِیّاً قَبْلَهٗ وَلَوْ کَانَ لَهٗ اِبْنٌ بَالِغٌ کَانَ مَنْصَبُهٗ اَنْ یَکُوْنَ نَبِیّاً کَمَا قال النبیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم لِاِبْرَاهِیْمَ حِیْنَ تُوُفِّیَ "لَوْ عَاشَ لَکَانَ نَبِیّاً . وَالْمَقْصُوْدُ انَّهٗ یُفْهَمُ مِنَ**

الآيَةِ خَتمُ النُّبُوَّةِ علىٰ نبينا محمدٍ صلى اللّٰه عليه وسلم، لِاَنَّ الْخَاتَمَ بفتح التاء هُوَ مِنَ الخِتَامِ الَّذِيْ يُخْتَمُ بِهِ الْبَابُ، وَاِنَّمَا يُطْلَقُ هٰهُنَا على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لِاَنَّهُ يُخْتَمُ بِهٖ اَبْوَابُ النُّبُوَّةِ وَيُغْلَقُ اِلٰى يَوْمِ القِيَامَةِ وَالْخَاتِمُ بكسر التاء مَعْنَاهُ اَنَّهٗ صلى اللّٰه عليه وسلم يَخْتِمُ النَّبِيِّيْنَ وَيَفْعَلُ الْخَتْمَ. وأيضاً مَعْنَى الخَاتَمِ الآخِرُ فَثَبَتَ المُدَّعٰى.

ترجمہ: ''وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ''، یعنی آپ ﷺ کے ظہور کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، اور جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ بھی آں حضور ﷺ کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے، اور آپ ہی کے خلیفہ ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی شریعت کے ایک لفظ پر بھی عمل در آمد نہیں کریں گے، اگر چہ یقیناً آپ آں حضور ﷺ کے ظہور سے قبل نبی بنائے گئے تھے، اگر آں حضور ﷺ کے کوئی بیٹے زندہ رہتے تو نبوت ان کا منصب ہوتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے'' اس آیت مبارکہ **ما کان محمد الخ** سے مقصود یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کو ختم کرنے کا مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیوں کہ خاتَم (تا کی زبر یعنی فتح کے ساتھ بہ طورِ اسمِ آلہ) ختام سے ہے جس کے ذریعہ دروازہ بند کیا جاتا ہے، اس آیت میں آں حضرت ﷺ پر اس کا اطلاق اس لیے کیا گیا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے، نبوت کے دروازے، تا قیامِ قیامت بند کر دئے گئے، اسی طرح خاتِم (تا کی زیر یعنی کسرہ کے ساتھ بہ طور اسم فاعل) کا معنی یہ ہے کہ حضرت محمد رسول ﷺ ''سلسلۂ نبوت کا اختتام کرنے والے'' ہیں۔ نیز خاتَم کا معنیٰ معروف (بہ حسبِ عرف) آخری ہے، جس سے بھی ختمِ نبوتِ زمانی کا مدعیٰ، خوب ثابت ہے۔

مُہر بھی اسی لیے خاتَم یعنی آلۂ ختم کہلاتی ہے کیوں کہ وہ تحریر کا اختتام کرتی ہے اور آخر میں لگائی جاتی ہے، اسی طرح سیل Seal کو بھی مہر کہتے ہیں کیوں کہ وہ بھی آخر میں لگتی ہے۔ انگوٹھی کو اس لیے خاتم کہا جانے لگا کیوں کہ وہ بھی بہ طورِ مہر استعمال ہوتی تھی، اور اس کی ضرورت آخر میں پڑتی تھی، مہر اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ تحریر اختتام کو پہنچ گئی ہے۔

اس موقع پر مرزائی وکلاء نے جرح کی۔ حضرت محدث گھوٹویؒ نے مفصل اور دنداں شکن جوابات دے کرا نھیں لاجواب کر دیا۔ حضرت شیخ الاسلام کے مذکورہ بالا بیان کا خلاصہ راقم الحروف (پروفیسر نصیر الدین شبلی) کی تحریر کردہ سوانح حیات مسمی بہ ''شیخ الاسلام محدث گھوٹویؒ '' میں شائع ہو چکا ہے۔

دربار بہاولپور کے مؤقر اراکین نے بارے دیگر حضرت الشیخ کے تحریری بیان کا بہ غور جائزہ لیا اور متفقہ

طور پر اپنا فیصلہ صادر کیا کہ حضرت بحر العلوم مولانا مولوی غلام محمد گھوٹویؒ شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے تفصیلی بیان سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت محمدﷺ خاتم النبین ہیں، آپﷺ کے ظہور کے بعد کسی نئے نبی کا آنا، قرآن وحدیث کی رُو سے ممنوع ہے، اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو وہ دینِ اسلام سے خارج ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ دیگر علما کے بیانات بھی لے لیے جائیں؛ نیز مرزائی لوگوں کو بھی سُن لیا جائے۔ چناں چہ ہم ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ بہاولپور کو اس کیس کی از سرِ نو سماعت کے لیے مجاز بناتے ہیں اور اس کیس کو، ہائی کورٹس پٹنہ، مدراس اور لاہور کے سابقہ فیصلہ جات بابت مسئلہ ہٰذا سے، استثنائے خاص، عطا کرتے ہیں۔

دربار بہاولپور (عدالت معلّیٰ بہاولپور) کے مؤقر اراکین (وزرائے ریاست ہٰذا) نے اس فیصلہ پر ۲۱ دسمبر ۱۹۳۱ء کو دستخط کیے اور نواب آف بہاولپور سر صادق محمد خاں خامس عباسی نے اس پر ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء کو دستخط ثبت فرمائے۔

الغرض استثنائے خاص کے حصول کے بعد یہ مقدمہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ بہاولپور میں از سرِ نو شروع ہوا، اس میں اہلِ اسلام کی طرف سے مندرجہ بالا چھ علمائے کرام نے بیانات ریکارڈ کرائے۔

۱۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی۔ شیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ بہاولپور نے مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۲۔ حضرت مولانا ابو قاسم محمد حسین کولوتارڑوی (گوجرانوالہ) نے مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۳۔ حضرت مفتی محمد شفیع نے مورخہ ۲۱۔ اگست ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۴۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری نے مورخہ ۲۱۔ اگست تا ۲۵۔ اگست ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۵۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے مورخہ ۲۵۔ اگست تا ۲۹۔ اگست ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۶۔ حضرت مولانا پروفیسر نجم الدین نے مورخہ ۳۰۔ اگست اور ۳۱۔ اگست ۱۹۳۲ء کو بیان دیا۔

۷۔ حضرت مولانا محمد صادقؒ نے بتلایا کہ عدالتِ بہاولپور میں علمائے کرام کے بیانات کے دوران حضرت الاستاذ محدث گھوٹویؒ روزانہ، ہمہ وقت وہاں موجود رہتے اور بھول چوک پر یاد دہانی، معاونت اور نگرانی کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے۔

مہمان نوازی حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، آپؒ کے آباؤ اجداد سخاوت اور مہمان نوازی میں شہرت رکھتے تھے، چناں چہ وسط ۱۹۳۲ء میں جب مقدمہ مرزائیہ کے سلسلہ میں ذی احترام علمائے دین آپؒ کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو آپؒ نے ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، ان کی خوب خاطر

مدارات فرمائی اوران کی آمد ورفت کے اخراجات بھی ان کی خدمت میں بہ طورِ ہدیہ پیش فرمائے۔

تین ماہ کے عرصہ میں یہ تمام علمائے کرام، ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ بہاولپور میں بیانات قلم بند کرانے کا فریضہ بہ احسن طریق انجام دے کر اپنے اپنے اوطان مالوفہ کی طرف مراجعت فرما ہوگئے لیکن شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ اس مقدمہ کی پیروی میں مسلسل کوشاں رہے، اس دوران مرزائیوں کی طرف سے بھیانک قسم کے ہتھکنڈے اور بھونڈی قسم کی رُکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور طوفان کی طرح آگے ہی آگے بڑھتے رہے، آپؒ مورخہ ۷۔ فروری ۱۹۳۵ء تک یعنی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائے جانے تک ایک پل چین سے نہ بیٹھے، بالآخر سرخرو ہوئے اور عدالت سے مرزائیت کے خلاف اولین فیصلہ لے کر ہی دم لیا رحمہ' اللہ تعالیٰ۔

اس تاریخ کو حضرت محدث گھوٹویؒ بعد از حج بیت اللہ، مدینہ منورہ میں مقیم تھے، اس فیصلہ کے انعام کے طور پر آپؒ تاجدارِ اقلیم نبوت ﷺ کی بارگاہ عرش جاہ سے زیارت اور حضوری کے اعزاز سے نوازے گئے، حضرت قبلہ و کعبہ بابو جی رحمہ' اللہ تعالی نے گولڑہ شریف سے آپؒ کو مبارک بادی کا نوازش نامہ ارسال فرمایا، حضرت پیر صاحب موصوف رحمہ' اللہ تعالی کا یہ مکتوب حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ کو اس وقت موصول ہوا جب آپؒ روضۂ نبوی ﷺ پر حاضر تھے۔

حضرت شیخ الجامعہ محدث گھوٹویؒ نے ۲۵۔ جولائی ۱۹۳۵ء کو مقدمہ مرزائیہ کا فیصلہ اور علما کے بیانات دونوں الگ الگ طباعت سے آراستہ کر کے افادۂ عام کے لیے شائع فرمائے جزاہ اللہ خیرا۔

☆☆☆☆

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

ڈاکٹر محسن علی عباسی ☆

حضور نبی اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہؓ کا رشتہ چچازاد بھائی کا ہے۔ آپؓ حضرت عباسؓ کے بیٹے ہیں اور حضور نبی مکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ طاہرہ شریف میں تشریف لے جانے سے صرف تین سال قبل مکہ مکرمۃ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی پیدائش سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک روایت کے مطابق آپؓ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں شعبِ ابی طالب کی گھاٹی میں ہوئی۔ اس جگہ پر حضور نبی دوعالم ﷺ کم وبیش تین سال تک معاشرتی مقاطعہ جیسے ظالم عمل کو برداشت فرمایا۔ امام ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔ **ولد بنو هاشم بالشعب قبل الهجرة بثلاث...۱**

آپؓ کا کامل اسم گرامی، عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی، القرشی ہے اور آپؓ کی کنیت ابو العباسؓ ہے۔ آپ ﷺ نے ہی آپؓ کو گھٹی دی۔ اس دُنیا میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پہلی خوراک، حضور ﷺ کا لعاب مبارک اور آپ ﷺ کی پس خوردہ (چبائی) ہوئی کھجور تھی۔ آپؓ وہ صحابی ہیں جن کو بچپن میں ہی ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ اپنے والدین کے ساتھ مدینہ منورۃ کو روانہ ہوئے۔ سیرت الرسول ﷺ کی کتابوں میں آپؓ کا نام کم سنی کے باوجود موجود ہے۔ آپؓ بچپن سے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقتوں کے سائے میں رہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ بچوں سے خصوصی محبت فرماتے تھے اور جب حضرت عبداللہؓ آپ ﷺ کے پاس تشریف لے کر جاتے تو آپ ﷺ انھیں پیار و محبت کے ساتھ اپنے پاس بٹھا لیتے اور اپنی حقیقی اولاد کی طرح محبتوں سے نوازتے۔ اسی محبت وشفقت کا فیض تھا کہ حضرت عبداللہؓ حضور نبی مکرم ﷺ کے ساتھ ہر جگہ موجود رہتے۔ یہی حضور نبی مکرم ﷺ اور علم نبوی ﷺ کے ساتھ آپؓ کی محبت کی عکاس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا چہرہ مبارک، نہائی روشن، رنگ مبارک گندمی مائل، قد مبارک لمبا، گھنے حسین اور خوبصورت بال مبارک تھے۔ "**سیر اعلام النبلاء**" میں درج ہے کہ آپؓ اس قدر حسین وجمیل اور وجیہہ تھے کہ لوگ جب چودھویں کے چاند کو دیکھتے تو آپؓ کو یاد کرتے۔۲

جب حضور نبی مکرم ﷺ کا وصال مبارک ہوا، تب آپؓ کی عمر مبارک کم وپیش تیرہ سال تھی۔ ابتدا ہی سے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، گریژن یونیورسٹی، لاہور

آپ بہت ذہین تھے۔ایک دن حضور نبی مکرمﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر میں قیام فرما تھے کہ میں نے (یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ) نے آپﷺ کے لیے برتن میں وضو کے لیے پانی رکھا۔حضرت میمونہؓ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے رسولﷺ !اس (یعنی عبداللہ بن عباسؓ) نے آپ ﷺ کے لیے یہ برتن رکھا ہے۔اس پر نبی کریمﷺ نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا: **اللھم فقه فی الدین وعلمه التاویل...۳**

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک دن حضور نبی مکرمﷺ نے آپؓ کو سینے سے لگایا اور دعا فرمائی: **اللھم علمه الحکمة وفقه فی الدین وعلمه التاویل ۴**

ترجمہ: اے اللہ اس کو حکمت اور دین میں فقیہ اور مجتہد بنا اور علم تاویل عطا فرما۔

ایک دن حضور نبی کریمﷺ نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا: آپ اپنی اولاد کے ساتھ پیر کے دِن صبح کو تشریف لائیں تو میں آپ کے لیے ایسی دُعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع فرمائے گا۔لہٰذا ہم اپنے والد کے ساتھ پیر صبح کو حاضر ہوئے، حضور پاک نبی کریمﷺ نے ہمیں اپنی چادر مبارک اوڑھائی اور یہ دُعا فرمائی: اے اللہ! حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی ظاہری اور باطنی ایسی مغفرت فرما کہ ان کا کوئی گناہ باقی نہ رہے اور ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔یعنی ان کی عزت اور ان کے سارے کاموں میں رعایت فرما کہ ان کی جان اور اولاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ان کی اولاد میں خلافت باقی رکھ۔۵

آپ کو علومِ قرآنیہ کے ساتھ خاص دِلچسپی تھی۔دلائل کے ساتھ لطائفِ قرآنیہ وعجائباتِ قرآنیہ پیش فرماتے تھے۔آپؓ مدینہ طیبہ طاہرۃ کے بڑے علما میں شمار کیے جاتے تھے۔آپؓ حضرت عمرؓ کے خاص لوگوں میں شامل تھے۔آپؓ کا علمی مقام و مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ آپؓ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں مشورہ لیتے۔

حضور نبی مکرمﷺ سے آپؓ کا دوہرا رشتہ تھا۔آپؓ حضور نبی مکرمﷺ کے اہلِ بیت کے رشتہ داروں میں شامل تھے اور دوسرا رشتہ والدہ کی نسبت سے بھی تھا۔آپؓ کی خالہ، حضرت میمونہؓ حضور نبی مکرمﷺ کی زوجہ مطہرۃ تھیں۔آپ اکثر درِ رسولﷺ پر آکر علم نبوت سے سرفراز ہوتے رہے۔اس کے علاوہ بھی آپؓ کے بہت سارے امتیازات تھے۔آپؓ کا ایک لقب جوامت نے آپؓ کو دیا ہے وہ ''ترجمان القرآن'' ہے۔آپؓ کو نبوت کا فیضان علم جاری رہا۔آپؓ کی تربیت میں کِبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت فاروقِ اعظمؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل تھیں۔

آپؓ کے امتیازات میں علم سے بے پناہ محبت اور ادب شامل ہے۔ مرتبہ اجتہاد پر فائز ہونے کے علاوہ آپؓ کی طبیعت انتہائی اہم نکات لے کر آتی تھی۔ آپؓ اعلیٰ درجہ کے باریک بین اور بے مثال قوتِ حافظ کے حامل تھے۔ حضرت علیؓ کے علمی تفسیری منہج کو حضرت عبداللہ عباسؓ نے اختیار فرمایا اور آپ ؓ کا علمی استدلال اتنا وسیع اور جامع تھا کہ حضرت عمر فاروق ؓ، فاروقِ اعظم جیسی ہستیاں بھی آپؓ کے علم سے استفادہ فرماتیں۔

آپؓ کی مجلس میں ایک دِن فقہ کے لیے مقرر ہوتا تھا، ایک دِن تفسیر اور تاویل کے لیے، ایک دِن مغازی کے لیے، ایک دِن شعر کے لیے اور ایک دِن عرب کے ایام اور اُن کی معلومات کے بارے میں ہوتا تھا۔ کوئی بھی سائل آپؓ سے مطمئن ہوئے بغیر نہ جاتا۔ آپ کے چند مشہور تلامذہ میں امام مجاہد، امام قتادہ، امام سفیان ثوری، سعید بن جبیر، امام ضحاک اور امام شعبہ مشہور و معروف ہیں۔

عبید بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں نے سابقہ لوگوں میں سے حدیثِ رسولﷺ کے جاننے والوں میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ علم والا کوئی نہیں دیکھا اور نہ فیصلہ فرمانے میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسا کسی کو دیکھا اور نہ آپؓ سے بڑھ کر کسی کو فقیہ دیکھا، نہ آپؓ سے بڑھ کر کسی عربی زبان دانی اور اشعار کا ماہر دیکھا، نہ قرآن کی تفسیر میں، نہ احسان اور نہ فرائض میں کسی کو بھی آپؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ سب علم مصطفویﷺ کا فیضان تھا کہ آپؓ نے علم کو ہی اپنایا۔ جب آپؓ کسی بھی صحابی رسولﷺ کے پاس جاتے تو دروازے پر جا کر بیٹھا کرتے اور جب تک وہ باہر تشریف لے کر نہ آتے، وہاں ہی رہتے۔ آندھیاں چلتیں ،مسائل آتے، کپڑے خراب اور پسینے میں ڈوب جاتے، مگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپؓ کے پائیہ استقلال میں لغزش نہ آتی۔ بعض اوقات خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب آپؓ کو اپنے گھر کے باہر اس انداز میں دیکھتے تو دُکھ محسوس کرتے، مگر آپؓ اس بات پر ہی قائم رہے کہ ہمیشہ پیاسا کوئیں کے پاس چل کر آتا ہے۔ آپؓ فرماتے کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنے کام سے آیا ہوں اور آپ احباب کو تنگ کروں۔ یہ تربیتِ رسولﷺ اور اسلامی اقدار کا اعجاز ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے وہ مثالیں پیش کی ہیں کہ فرشتے بھی ان کی عظمتوں کو سلام پیش کرتے ہیں۔ دورِ حاضر کے بھولے بسرے انسان کو، جو مادی دُنیا میں، لالچ، بُغض، عناد اور دکھاوے کے گھُپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے، ان نفوسِ قُدسیہ کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ اور ان سے فیض حاصل کرنا لازم ہے۔

آپ کے علمی فیضان سے ایک عالَم منور ہوا، دُنیائے اسلام کے یہ سب سے بڑے مفسرِ قرآن اور شمس المفسرین فی الصحابہ ۷۱ سال کی عمر میں وادئ طائف کے مقام پر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نمازِ جنازہ

محمد بن حنفیہؓ کی امامت میں ادا کی گئی۔

آئن سٹائن، ردرفورڈ اور نیوٹن جیسے لوگوں کی مدح سرائی کرنے والے اپنے دور کو بھی پڑھیں تا کہ انھیں محسوس ہو کہ ذرے کی ایجاد میں کوشش وکاش کرنے والوں کے پیچھے کن کا ہاتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر کائنات موجزن کیے ہوئے ہیں۔ جن کی ایک ذرہ سی جنبش سے ہزاروں کہکشائیں جنم لیتی ہیں۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ معاشرے کو راہ دکھانے والے ان نفوسِ قدسیہ کی اقدار دورِ حاضر کے دھندلکوں میں کہیں چھپتی چلی جا رہی ہیں۔ امتی ہونے کا شرف اپنی جگہ بجا، مگر اس تقدس کو حاصل کرنے کے سعی و جستجو سے امتِ مسلمہ عاری ہے، جس کا فیضان ماضی میں صدیوں تک اذہان کو روشن و منور کرتا رہا ہے۔ اللہ کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے فیضان کو جاری وساری فرمائے اور امتِ مسلمہ کو عروج و تمکنت عطا فرمائے، پاکستان کو دُنیا میں عالمِ اسلام کا مضبوط و مستحکم قلعہ بنائے۔

☆☆☆☆

امام ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی

عطاء المصطفیٰ☆

طائفہ محاسبیہ کے سرخیل، امام ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی بصرہ میں پیدا ہوئے، آپ امام احمد بن حنبل کے معاصرین میں سے ہیں، کثرت محاسبہ کی وجہ سے ''محاسبی'' کے لقب سے مشہور ہوئے، تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی مگر تاریخ وفات ۲۴۳ ہجری ہے اور بغداد میں آپ کا مزار ہے، آپ کے حالات زندگی الرسالۃ القشیریہ، طبقات الصوفیہ لسلمی، کشف المحجوب، نفحات الانس، طبقات الشافعیہ الکبریٰ لسبکی وغیرہ میں تفصیلاً ذکر کیے گئے ہیں، آپ شافعی المذہب تھے جس کی تصریح امام تاج الدین السبکی الشافعی نے کی ہے۔ امام محاسبی فقہ، حدیث، تصوف اور علم کلام کے امام مانے جاتے ہیں، حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی نے آپ کی تصانیف سے بہت استفادہ کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے النکت علی کتاب مقدمۃ ابن الصلاح میں شیخ محاسبی کو علم حدیث وکلام کا امام کہا ہے۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیریؒ آپ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو والد کی طرف سے بطور وراثت ستر ہزار درھم ملے، لیکن آپ نے ان میں سے کچھ نہ لیا، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کے والد تقدیر کے منکر تھے لہٰذا آپ نے اس میراث کو لینا خلاف تقویٰ جان کر چھوڑ دیا، زہد وتقویٰ کی بدولت اللہ پاک نے آپ کو وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ جب آپ ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو آپ کی انگلیوں پر پسینہ حرکت کرنا شروع کر دیتا اور آپ وہ شے کھانے سے رک جاتے، حضرت ابوعبداللہ بن خفیف فرمایا کرتے کہ ہمارے مشائخ صوفیہ میں سے پانچ کی اقتداء و پیروی کرو اور دیگر کو ان کے حال پر چھوڑ دو، وہ پانچ درج ذیل ہیں۔

حضرت حارث الحاسبی، شیخ جنید بغدادی، شیخ رویم، شیخ ابوالعباس بن عطا، شیخ عمرو بن عثمان مکی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

صوفیہ میں آپ سے منسوب طائفہ محاسبیہ کا تعارف کراتے ہوئے حضرت علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی۔ لاہور

امـا الـمـحـاسبیه تولی محاسبیان بابی عبدالله الحارث بن اسد المحاسبی است رضی اللّٰـه عنه ودی باتفاق هم اهل زمانهٔ خود مقبول النفس ومقتول النفس بود وعالم بعلوم اصول و فروع و حقایق و

سـخـن وی انـدر تـجـریـد تـوحـیـدبود بصحت معاملات ظاهری و باطنی و نادرهٔ مذهب وی آنست که رضارا از جملهٔ مقامات نگوید و گوید که آن از جملهٔ احوال است

"طائفہ محاسبیہ کی نسبت حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی رضی اللہ عنہ سے ہے وہ باتفاق مقبول النفس اور مقتول النفس (قاطع النفس) تھے، آپ کا علم حقائق توحید خالص اور اس کے اصول وفروع کو بیان کرتا ہے، آپ کے معاملات ظاہری وباطنی درست تھے، آپ کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ "رضا" کو مقامات کے بجائے احوال میں شمار فرماتے تھے۔"

آپ ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ وپیراستہ تھے اور آپ میں اخلاق ومروت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور آپ کی تصانیف بھی بہت سی موجود ہیں۔

شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں آپ کے حالات میں حسب ذیل امور کا ذکر کیا ہے۔

جب بھی آپ کسی مشتبہ کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاتے تو انگلیاں شل ہو جاتی تھیں، جس کی وجہ سے آپ کو کھانے کے اشتباہ کا پتا چل جاتا تھا۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ بھوک کی حالت میں جنید بغدادی کے ہاں پہنچے اور وہاں اتفاق سے کسی شادی میں سے کھانا آیا ہوا تھا۔ لہٰذا جب وہ کھانا حارث محاسبی کے سامنے پیش کیا گیا تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہو گئیں۔ لیکن بطور تواضع ایک لقمہ آپ نے منہ میں رکھ ہی لیا اور جب وہ حلق سے نیچے نہ اُترا تو باہر جا کر اگل دیا اور وہیں سے رخصت ہو گئے، پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت جنید سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے گذشتہ واقعہ کے بارے میں آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر خدا کا کرم ہے جب میرے سامنے مشتبہ کھانا آتا ہے تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس روز بھی یہی ہوا لیکن دل شکنی کے سبب میں نے ایک لقمہ منہ میں رکھ لیا مگر وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکا اور مجھ کو باہر جا کر اگل دینا پڑا۔ لہٰذا آپ بتائیے کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: پڑوسی کے یہاں سے شادی کی تقریب سے آیا تھا۔ پھر حضرت جنید نے اصرار فرمایا کہ آج میرے ہمراہ تشریف لے چلئے پھر آپ کو گھر لے جا کر جَو کی خشک روٹی آپ کے سامنے رکھ دی اور آپ نے شکم سیر ہو کر فرمایا کہ فقراء کی تواضع اس طرح کی جاتی ہے۔

☆ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں جب کسی کو نماز پڑھنے پر فخر کرتے دیکھتا تو یہ شبہ ہوتا کہ نہ جانے اس کی نماز قبول بھی ہوئی یا نہیں لیکن اب یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے شخص کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوتی۔

☆ اور فرمایا: مراتب عالیہ کے حصول کے لیے چند خصائل کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

کبھی قسم نہ کھائے۔ کبھی دروغ گوئی سے کام نہ لے۔ وعدہ کر لینے کے بعد اس کو ایفاء کرے۔ کسی سے بدلہ نہ لے۔ کسی کے لیے بددعا نہ کرے اور کسی کے کفر و نفاق پر شاہد نہ بنے۔ گناہ سے کنارہ کش ہو کر ظاہری و باطنی کسی طرح بھی قصد گناہ نہ کرے۔ لالچ کو ختم کر کے لوگوں سے نا اُمید رہے۔ سب کو اپنے سے زیادہ بہتر تصور کرتے ہوئے کسی جاہ و مرتبت کا خواہاں نہ ہو اور اگر کوئی ان تمام چیزوں پر عمل پیرا ہو جائے تو انشاء اللہ اس کے لیے سودمند ثابت ہوگا۔

☆ قربِ الٰہی کی منزل میں قلب علم کا رقیب بن جاتا ہے۔

☆ احکامِ الٰہی کی بجا آوری کا نام صبر ہے۔

☆ مصائب پر شاکر رہنے اور ان کو منجانب اللہ تصور کرنے کا نام تسلیم ہے۔

☆ خدا کے دشمنوں سے انقطاعِ تعلق کا نام حیا ہے۔

☆ ترکِ دُنیا کا نام حبِ الٰہی ہے۔

☆ محاسبہ کے ڈر سے گناہ نہ کرنے کا نام خوف ہے۔

☆ مخلوق سے فرار کا نام اُنسِ خالق ہے۔

☆ جو مخلوق کے برا سمجھنے پر بھی اظہارِ مسرت کرے اس کو صادق کہا جاتا ہے۔

☆ بذریعہ ریاضت نفس کو پاکیزہ بنانے سے راہِ راست مل جاتی ہے۔

☆ جو شخص دنیا ہی میں جنتوں کی نعمت کا طلبگار ہو اس کو صالح اور قانع لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

☆ عارفینِ خندقِ رضا میں اتر کر اور بحرِ صفا میں غوطہ زنی کر کے وفا کے موتی حاصل کر لیتے ہیں اور پھر حجابِ خفا میں واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔ شفقت و وفا کے حصول کے بعد اس سے فوائد حاصل کر لیتے ہیں اور میں محروم ہوں۔

☆ آپ کوئی کتاب لکھ رہے تھے کہ کسی درویش نے عرض کیا کہ معرفتِ الٰہی کا حق بندے پر ہے یا بندہ کا حق

اللہ پر؟ اگر معرفتِ الٰہی بندہ خود حاصل کرتا ہے تو اس طرح بندے کا حق خدا پر ثابت ہوگا اور بندے کا حق خدا پر ثابت کرنا حرام ہے اور اگر بندے کی معرفت پر اللہ کا حق ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیوں کہ ایسی شکل میں بندے کو اللہ تعالیٰ کے حق کا حق ادا کرنا چاہیے؟ اس منطقی تقریر کا مفہوم سمجھ کر آپ نے کتاب لکھنا بند کر دیا، اس کے علاوہ یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ جب معرفت اللہ ہی کا حق ہے تو معرفت کے باب میں کوئی کتاب تصنیف کرنا لغو ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ اِنَّکَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ (القصص ۵۶) یعنی اے نبی! آپ اپنے کسی محبوب شخص کو ہدایت نہیں کر سکتے، بل کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ پھر دوسرا خیال آپ کو یہ بھی پیدا ہوا کہ اللہ کی معرفت کا حق بندے پر ہی ہے اس لیے کہ اسی نے بندے کو معرفت کی توفیق دی لہٰذا بندے کو اس کا حق ادا کرنا چاہیے، اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے پھر دوبارہ اپنی تصنیف شروع کر دی۔

وفات

انتقال کے وقت آپ کے پاس ایک درہم تک نہیں تھا، جب کہ بہت سی زمین اور جائیداد آپ کو بطور ترکہ حاصل ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں شریعت کی پیروی کی وجہ سے تمام ترکہ بیت المال میں جمع کر کے خود کچھ بھی نہیں لیا اور فقر و فاقہ کے عالم میں آپ دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ بغداد میں وصال ہوا اور وہیں مزار مبارک ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

تالیفاتِ حسنہ

امام تاج الدین السبکی الشافعیؒ نے آپ کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زیادہ ذکر کی ہیں، چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- ☆ الرعایۃ الحقوق اللہ عزوجل۔
- ☆ التوھم۔
- ☆ رسالۃ المسترشدین۔
- ☆ رسالۃ الوصایا۔
- ☆ شرح المعرفۃ۔
- ☆ بدء من اناب الی اللہ تعالیٰ۔

☆ المسائل فی الزہد۔

☆ المسائل فی اعمال القلوب والجوارح۔

☆ ماھیۃ العقل ومعناہ واختلف الناس فیہ۔

☆ البعث والنشور۔

☆ کتاب فی الدماء۔

☆ کتاب فی التفکر والاعتبار۔

☆ رسالۃ المراقبہ۔

☆ التنبیہ علی اعمال القلوب فی الدلالۃ علی وحدانیۃ اللہ۔

☆ کتاب العظمۃ۔

☆ القصد والرجوع الی اللہ تعالیٰ۔

☆ کتاب النصائح۔

☆ مختصر کتاب فہم الصلوۃ۔

☆ کتاب الرضاء۔

☆ فہم القرآن۔

☆ فہم السنن۔

یہ فہرست شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ کی تحقیق کردہ ہے جب کہ شیخ علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش نے آپ کی ایک کتاب ''کتاب الرغائب'' نامی بھی ذکر کی ہے۔

☆☆☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

[مولانا محمد زین الدین المعروف زینت الاولیا مکھڈیؒ]

علامہ محمد اسلم ☆

حضرت مولانا زین الدین مکھڈی بن حافظ امیر گل بن میاں مبارک الخ موضع انگہ ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز موضع کُفری علاقہ سون سکیسر میں مولانا غلام نبی سے کیا۔بعدازاں موضع لیٹی (تحصیل تلہ گنگ۔ضلع چکوال) میں مولانا محمد روشن سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔وہاں سے حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ کی شہرت سُن کر مکھڈ شریف مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ کے پاس تمام کتبِ درسیہ خاص کر علمِ معقول میں مہارتِ کاملہ حاصل کی۔مولانا زین الدین اور شمس الدین سیالوی مکھڈ شریف میں حضرت شاہ محمد علی مکھڈیؒ کے پاس ہم سبق ساتھیوں میں سے تھے۔

فراغتِ تحصیلِ علوم کے بعد آپ نے اپنے استاذِ محترم کے زیرِ سایہ مکھڈ شریف میں ہی سلسلۂ تدریس شروع فرمایا۔آپ کا اندازِ تدریس بہت فصیح و بلیغ اور مدلل ہوتا۔آپ کو تمام کتبِ درسیہ ازبر تھیں۔آپ اپنے طلبا کو بھی تمام کتابیں ازبَر کرواتے تھے۔جیسا کہ ''تذکرۃ الصدیقین'' میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ موضع احمد پور کی مسجد میں دیگر علمائے علاقہ کے ساتھ موسمِ گرما میں دوپہر گزارنے کے لیے جمع تھے تو مولوی عبداللہ گلیالوی نے مولوی خورشید صاحب لنگڑیالوی (شاگرد مولانا زین الدین مکھڈیؒ) سے ''میر ہاشم شرح میبذی'' کا ایک مشکل مقام حل کرنے کے لیے پیش کیا۔مولوی خورشید نے اس مشکل مقام کی ایسی مدلل تقریر فرمائی کہ تمام اشکال ختم ہوگئے۔مولوی عبداللہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے تقریر کہاں سے اَخذ کی ہے تو مولوی خورشید صاحب نے کہا کہ اس مقام پر جو تقریر استاذِ محترم مولانا زین الدین نے فرمائی تھی مجھے بعینہٖ وہ تقریر یاد تھی۔

اسی طرح جب حافظ عبدالقدوس چھچھوی مکھڈ شریف تشریف لائے تو حافظ صاحب نے علمِ نحو کی مشہور کتاب ''کافیہ'' پر ڈھیروں اعتراضات جمع کیے ہوئے تھے۔اور مولانا زین الدین صاحب کے پاس دورانِ سبق آکر بیٹھ گئے اتفاقاً مولانا صاحب بھی کسی طالب علم کو ''کافیہ'' کا سبق پڑھا رہے تھے۔حافظ صاحب نے بھی وہ تمام اعتراضات حضرت مولانا زین الدین مکھڈیؒ کے سامنے پیش کیے۔جب حافظ صاحب سات، آٹھ اعتراضات

☆ صدر مدرس، درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔مکھڈ شریف۔تحصیل جنڈ (اٹک)

کے جوابات دے چکے تو حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اب اور اعتراض کرو جب حافظ صاحب نے دوبارہ اعتراض کیا تو مولانا صاحب نے اسی اعتراض کو توڑ پھوڑ کر حافظ صاحب پر اعتراض وارد کر دیا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ صاحب کی شوخی ختم ہو گئی اور مولانا زین الدین مکھڈیؒ کے حلقۂ تدریس میں شامل ہو گئے۔ ان مذکورہ واقعات سے مولانا صاحب کی تدریس کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کے پاس کابل، قندھار، بخارا تک کے طلبا علمِ دین پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کو کتب خریدنے کا بہت شوق تھا۔ جب آپ عرس حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے موقع پر تونسہ شریف حاضر ہوتے تو وہاں کتب فروش حضرات کے پاس آپ ہر روز تشریف لے جا کر کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور جب عرس کی آخری تقریب ہوتی تو آپ سب کتابیں اُن سے خرید لیتے۔ کتب فروش حضرات آپ کی اس عادت سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ہر سال عرس کی آخری محفل کے بعد آپ کی روانگی تک منتظر رہتے کہ آپ ضرور کتابیں خرید فرمائیں گے۔ ایک مرتبہ کسی طالب علم سے آپ نے کوئی کتاب بھاری قیمت میں خرید لی۔ آپ کے ساتھ ہم سفر ایک پراچہ نے وہ کتاب اس طالب علم کو اس خیال سے بغیر حضرت کی اجازت کے واپس کر دی کہ اس نے مہنگی بیچی ہے ممکن ہے کہ اس سے کم قیمت میں مل جائے گی۔ جب حضرت کو کتاب کی واپسی کا علم ہوا تو اس تکلیف کی وجہ سے آپ کو بخار ہو گیا۔ جب پراچہ کو حضرت کی پریشانی اور تکلیف کا پتہ چلا تو دوبارہ اسی طالب علم سے وہی کتاب لے آیا۔ جب حضرت کے سامنے کتاب پیش کی گئی تو آپ نے خوش ہو کر یہ شعر پڑھا۔

جمادے چند دادم جاں خریدم

بنامِ ایزد عجب ارزاں خریدم

نیز آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر کوئی شخص کتاب تحفہ میں پیش کرتا تو آپ اس سے بہت خوش ہوتے۔ بل کہ مریدین اور متوسلین کو بھی بہ جائے مالی امداد کے کتاب وغیرہ کی ترغیب فرماتے۔ اور آپ کی عادتِ مبارکہ یہ بھی تھی کہ آپ پڑھنے والے طلبا سے بہت خوش ہوتے۔

بیعت و خلافت

آپ کی بیعت حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ سے تھی۔ جب حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے پہلے جانشین حضرت مولانا حافظ عابد جی مہارویؒ کا وصال ہوا تو آپ کو اعلیٰ حضرت تونسوی نے حضرت مولانا کا جانشین مقرر فرمایا اور ساتھ ہی حکم فرمایا کہ آپ وہاں مولانا کے تدریسی مشن کو جاری رکھیں۔ لنگر جانے اور ہم جانیں۔ تاہم

مولانا زین الدین نے اعلیٰ حضرت تونسوی کے اس فرمان پر تاحیات عمل فرمایا۔

کشف و کرامات

آپ صاحبِ کشف بزرگان میں سے تھے۔ صاحبِ تذکرۃ الصدیقین لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کے دور میں پراچگان طلبا کی زکوٰۃ کے مال سے خدمت فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک طالب علم پڑھتا تھا جس کو حجِ بیت اللہ کا شوق تھا۔ جب اس کو رقم ملتی تو وہ حج کا ارادہ کر کے مولانا زین الدین سے اجازت طلب کرتا۔ حضرت صاحب فرماتے تم پر حج فرض نہیں ہے اور اس سفر میں بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بعض اوقات تکالیف کی وجہ سے نمازِ فرض قضا ہو جاتی ہے۔ یہ ارادہ ترک کر دے چناں چہ وہ حسب فرمان رُک جاتا اور رقم اپنی ضروریات پر خرچ کر دیتا۔ پھر جب اگلے سال رقم مل جاتی تو پھر ارادہ کر کے اجازت طلب کرتا اور وہی جواب سُن کر خاموش ہو جاتا۔ ایک سال جب اس کو رقم ملی تو اس نے ارادہ کیا کہ حضرت تو اجازت نہیں عطا نہیں فرماتے۔ اس دفعہ بغیر اجازت جاتا ہوں۔ چناں چہ وہ بغیر اجازت روانہ ہو گیا۔ پیدل چلتے چلتے بمبئی پہنچ گیا اور وہاں سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ اتفاقاً وہ کشتی طوفان میں مبتلا ہو کر پاش پاش ہو گئی۔ حضرت صاحب اپنی بارہ دری پر وضو کے لیے تشریف فرما تھے کہ حضرت نے قبلہ کی جانب رُخ کر کے یہ الفاظ مبارک زبان سے متعدد دو دفعہ فرمائے ''پھٹا تھی بھیڑ یا میرا آ کھا جو نا ہیں منینا'' پھر اپنا دایاں ہاتھ مبارک اس طرح پھرایا جیسے کسی چیز کو پکڑنے کے لیے پھڑایا جاتا ہے۔ جب حضرت نے ہاتھ مبارک واپس لوٹایا تو جو شخص اُس وقت حاضر خدمت تھا۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت کا ہاتھ مبارک کہنی تک بھیگا ہوا تھا اور آستین مبارک بھی تر تھی۔ میں نے اس کو نچوڑا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے کمال حیرت ہوئی مگر حضرت کی ہیبت اور کمالِ ادب سے کچھ سوال نہ کر سکا۔

اس بات کو چند عرصہ گزر گیا۔ اس کے بعد اسی طالب علم کا بمبئی سے خط آیا کہ مکھڈ آرہا ہوں اور حضرت کے لیے میں نے فلاں کتاب خریدی ہے اور ساتھ لا رہا ہوں۔ چوں کہ حضرت کو کتابوں سے عشق تھا۔ لہٰذا حضرت نے بہت خوش ہو کر فرمایا فلاں شخص ہمارے لیے کتاب لا رہا ہے۔ چند عرصہ کے بعد وہ طالبِ علم مکھڈ پہنچا اس نے اپنی سرگزشت اس طرح پیش کی کہ جب طوفان سے کشتی ٹوٹ گئی اور میں سمندر میں گر گیا تو اس وقت میں نے حضرت کو پکارا۔ ''مکھڈ والے پیر میری مدد کر''۔ اس وقت کسی نے مجھے پانی سے پکڑ کر ایک تختہ پر بٹھا دیا اور وہ تختہ چلتے چلتے کسی کنارے پر لگ گیا اور میں وہاں سے پیدل چل کر بمبئی پہنچ گیا۔ تاریخ ملانے پر معلوم ہوا کہ وہی دن اور وہی وقت تھا جب حضرت نے جائے وضو پر بیٹھے ہوئے ہاتھ مبارک کو گردش دی تھی اور بھیگا ہوا ہاتھ واپس لوٹایا تھا۔

اسی طرح صاحبِ ''تذکرۃ الصدیقین'' ایک اور مقام میں لکھتے ہیں کہ جب مولوی عبدالنبی بھوئی گاڑوی کو ان کے والد نے آپ کی خدمت میں علوم ظاہری و باطنی حاصل کرنے کے لیے پیش کیا تو ساتھ ہی عرض کی کہ اس بچے کو آپ نے عالم و کامل بنانا ہے۔ چند ایام کے بعد آپ نے مولانا عبدالنبی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہارے اسباق تو شروع ہو گئے ہیں لہٰذا تم بیعت بھی کر لو۔ مولوی عبدالنبی نے کہا کہ میں ابھی بیعت نہیں کرتا جب رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر برپا ہے اور لوگ حساب و کتاب کے بعد جنت کی طرف جا رہے ہیں مولوی عبدالنبی کہتے ہیں کہ میں بھی جنت کی طرف جانے والے گروہ میں شامل ہو گیا۔ جب بابِ جنت کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت زین الدین جنت کے دروازے پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو جنت میں داخل کر رہے ہیں۔ جب میں قریب پہنچا تو حضرت نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ مولوی صاحب فوراً بیدار ہو کر مولانا صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نمازِ تہجد کے لیے وضو فرما رہے تھے تو اسی وقت مولوی عبدالنبی بیعت کے متعلق عرض کر کے مشرف بہ بیعت ہوئے۔

مولانا عبدالنبی نے ''تذکرۃ المحبوب'' فارسی زبان میں مولانا زین الدین اور مولانا محمد علی مکھڈی کے احوال پر جو کتاب مرتب فرمائی وہ آستانہ شریف پر بھی تاریخ کی پہلی کتاب ہے۔

آپ کے تلامذہ میں سے

حضرت مولوی خورشید احمد لنگڑیالوی

حضرت مولانا حافظ عبدالقدوس چھچھوی

حضرت مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی

حضرت مولانا غلام محی الدین مکھڈی (رشتہ میں آپ کے داماد ہیں)

حضرت مولانا سلطان محمود بندیالوی (المتخلص بنامی) ضلع سرگودھا

کے اسما مشہور و معروف ہیں۔

آپ کی اولاد میں سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ایک بیٹا سراج الدین بچپن ہی میں وصال فرما گیا جب کہ آپ کا دوسرا لڑکا حضرت مولانا محکم الدین جو دورانِ طالب علمی ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں وصال فرما گیا۔ اور آپ کی صاحبزادی صاحبہ کے بطن مبارک سے حضرت مولوی غلام محی الدین اور مولانا شمس الدین مکھڈی اور مولوی غلام محمد جیسے حضرات پیدا ہوئے۔ مسندِ ارشاد پر تقریباً ۳۳ سال متمکن رہ کر ۱۳ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو

مکھڈ شریف میں وصال فرمایا۔آپ کی قبرِ انور حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈی کے مزار میں مشرقی جانب واقع ہے۔کسی صاحب نے قطعہ تاریخِ وصال ان الفاظ میں تحریر کیا۔

جانش آواز اِرجعی چو شنید
گفت لبیک و سوئے عرش پرید

گفت ہائف زتختِ عرش عظیم
مقصد صدق یافت و قرب حلیم

حوالہ جات

۱۔ تذکرۃ المحبوب[مخطوطہ]،مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی،مکتوبہ۱۳۰۶ھ،مخزونہ کتب خانہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی،مکھڈ شریف
۲۔ تذکرۃ الصدیقین،مؤلفہ:مولانا محمد الدینؒ مکھڈی،فیروزسنز،لاہور،س۔ن

☆☆☆☆

ذکرِ خیر

علامہ محمد وارث ☆

اُستاذی العلماء والفضلا پیکرِ علم و عرفاں مفسرِ قرآن شیخِ طریقت رہنمائے شریعت حضرت ریاض الملّت والدین علامہ الحاج پیر ابوالنصر محمد ریاض الدین صاحب قادری چشتی ؒ

نام ونسب: نام محمد ریاض الدین کنیت ابوالنصر اور لقب ریاض الملّت جب کہ نسب نامہ یوں ہے۔ محمد ریاض الدین بن حضرت صوفی ملک عبدالستار خان بن رسول خان بن نواب خان بن محمد خان بن شہادت خان بن محمد ملوک الخ۔

ولادت

۸ ذوالحجہ۔۱۳۵۱ھ/۱۴/ اپریل ۱۹۳۳ء بروز پیر اٹک کے معروف گاؤں لنگر شریف تحصیل جنڈ میں ہاشمی اعوانوں کے چشم و چراغ حضرت صوفی بابا ملک عبدالستار چشتی ؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان شرافتِ نسبی اور علمی متانت کے لحاظ سے علاقہ بھر میں معروف و منفرد تھا۔

حصولِ تعلیم

دُنیاوی تعلیم آپ نے مڈل تک اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ جب کہ علومِ دینیہ کی تحصیل کے لیے لنگر شریف، چورہ شریف، مکھڈ شریف، احسن المدارس راولپنڈی، فیض العلوم پاک پتن شریف اور جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں مختلف اساتذہ کرام سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں درجِ ذیل نامور ہستیاں شامل ہیں۔

محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد سردار احمد فیصل آبادی قدس سرہ، شیخ القرآن ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزاروی نوراللہ مرقدہ، فخرالسادات شیخ القرآن ابوالظفر علامہ سید زبیر شاہؒ، مخدوم زادہ علامہ قاضی محمد اسرار الحق حقانی ؒ، حضرت علامہ سلطان محمود مالویؒ، حضرت علامہ اللہ بخشؒ واں بھچراں، حضرت علامہ پیر محمد ارشاد حسین چوراہیؒ اور حضرت علامہ مولانا محمد اسحاق صاحب چشتی نظامیؒ۔

فنون کی تکمیل کے بعد جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں دورۂ حدیث کریا۔ ۲۳۔شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ ۱۱۔فروری ۱۹۶۱ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

☆ مدرس وخطیب۔ خانقاہِ معلّٰی خواجہ احمد میرویؒ، میرا شریف۔ تحصیل پنڈی گھیب (اٹک)

تدریس

ریاض الملّت ؒ مختلف مقامات پر فرائض تدریس سے بہ حُسن وخوبی عہدہ برآ ہوتے رہے۔جن میں دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ (ہری پور)، دارالعلوم عربیہ غوثیہ اور جامعہ چشتیہ نظامیہ میرا شریف ، اٹک، لال مسجد (لالہ موسیٰ) اورادارہ تبلیغ الاسلام

(گجرات) میں بہ حیثیت صدر مدرس جب کہ جامعہ اسلامیہ چک سواری، میر پور (آزاد کشمیر) بہ طورِ شیخ الحدیث فرائض سرانجام دیے۔ پھر ۱۹۷۱ء میں اٹک شہر میں فیض آباد شریف میں اپنے جامعہ غوثیہ معینیہ رضویہ ریاض الاسلام کی بنیا د رکھی اور تا دمِ زیست جامعہ میں بہ حیثیت مہتمم اور شیخ الحدیث کے خدمات سرانجام دیں۔ رمضان المبارک میں اکثر آپ جامعہ اسلامیہ غوثیہ چکوال میں دورۂ قرآن شریف پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔

خطابت

تبلیغی جلسوں کے علاوہ حضرت ریاض الملّت قدس سرہ جامعہ اسلامیہ غوثیہ چک سواری، دربار عالیہ میرا شریف لال مسجد لالہ موسیٰ اور مرکزی دارالعلوم اٹک میں خطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔

بیت وخلافت

یوں تو حضور ریاض الملّت ہر اہل اللہ کی قدر فرماتے تھے اور ان کی محبت سے مخمور تھے۔البتہ بیعت کا سلسلہ محدثِ اعظم پاکستان سے تھا۔ پیرو مرشد نے چاروں مشہور سلاسلِ طریقت میں خلافت سے نوازا۔حضرت ریاض الملت نے علومِ شریعت کے ساتھ سلوک وطریقت کا سلسلہ جاری رکھا اور خصوصاً سلسلہ عالیہ قادریہ اور چشتیہ میں کئی حضرات کو بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔آپ کے برادران حضرت مبلغِ اسلام صاحبزادہ ابوالوفا خان محمد چشتی اور صوفی باصفا ملک عبدالرحمٰن چشتی اور حضرت فیض الملت قاری غلام محمد کے علاوہ سرحد وسندھ اور پنجاب میں آپ کے فیض یافتہ خلفائے کرام، شاگردِ دینِ متین کی خدمات میں مصروف کار ہیں۔

اولادامجاد

حضرت ریاض الملّت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائی ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ چاروں صاحبزادے دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہیں اور دینی وعلمی اور اصلاحی خدمات میں مصروف ہیں۔صاحبزادہ گان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ ابوالفضل محمد خان رضوی مدظلہ

۲۔ صاحبزادہ قاری محمد اکرام علوی قادری

۳۔ صاحبزادہ ابوالحسن محمد صلاح الدین رضوی

۴۔ صاحبزادہ قاری عثمان قادری

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں کرم اور حضور ﷺ کی نگاہِ رحمت سے حضرت ریاض الملت بیک وقت مبلغ، مفسر، مفتی، محدث، مفکر، مصنف، فقیہ، معلم، مترجم، مناظر، محقق، عارف کامل تھے۔

آپ کی تصنیفات میں سرِ فہرست تفسیر ریاض القرآن مع ترجمہ ریاض الایمان (چار جلدیں) ہے، جو اہلِ علم سے دادو تحسین حاصل کر چکی ہے۔ مختصر تفسیر ریاض العرفان بھی آپ کی ایک علمی کاوش ہے جو ابھی تک اشاعت آشنا نہ ہو سکی۔ علاوہ ازیں آپ نے سو (۱۰۰) سے زائد کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں پچاس سے زیادہ طبع ہو چکے ہیں۔ چند ایک کے اسما درج ذیل ہیں۔

۱۔ مفتاح القرآن ۲۔ ستونِ دین

۳۔ جواہر الصیام ۴۔ سفینۂ حق

۵۔ آئینۂ حق ۶۔ گلدستۂ عقیدت

۷۔ فضل الزکوٰۃ ۸۔ نورِ اوّل کی چمک

۹۔ خزینۂ حق ۱۰۔ آفتابِ بغداد

۱۱۔ خلیفہ بلافصل ۱۲۔ مینارِ حقیقت

۱۳۔ آفتابِ ہجویر ۱۴۔ آفتابِ اجمیر

۱۵۔ آفتابِ چوراہی ۱۶۔ اہلِ تشیع کی خیر خواہی

۱۷۔ خاتم الانبیاء ۱۸۔ ریاضِ شریعت [گیارہ حصے]

غیر مطبوعہ کتب میں

۱۔ ریاض الایقان فی سیرتِ حبیب الرحمان

۲۔ ریاض الصرف ۳۔ القول الفصیح

۴۔ ریاض الفتاویٰ ۵۔ الفیر وزی علیٰ ایساغوجی [عربی] ۶۔ پاسبانِ حق

۷۔ ریاض الاحادیث ۸۔ جواہرِ ریاض ۹۔ شرح کافیہ

[عربی]

۱۰۔ حکایاتِ مشائخ ۱۱۔ فوائدِ علمیہ ۱۲۔ ریاض الخطبات

آپ نے مختلف کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ ترجمہ وشرح کتاب الأثار

۲۔ ترجمہ جریمۃالرشوۃالمحسن طریقی

۳۔ ترجمہ اُصول الکرخی

۴۔ **ترجمہ طریق التعلم لزرنوجی**

۵۔ **ترجمہ کتاب العلم لابی خیشمہ لنسائی**

۶۔ ترجمہ اُصولِ اربعہ ۷۔ ترجمہ وتوضیح دیوانِ متنبی وغیرہ

ذوقِ شاعری:

حضرت ریاض الملّتؒ ذوقِ شاعری سے بھی بہرہ ور تھے۔ اس سلسلے میں بھی آپ نے کچھ یادگاریں چھوڑی ہیں جن میں

۱۔ ذکرِ حبیب [مجموعہ نعت ومنقبت] ۲۔ ریاض الاشعار ۳۔ دیوانِ ریاض

شامل ہیں۔ آپ کا کلام اُردو، پنجابی، فارسی اور عربی چار زبانوں پر مشتمل ہے۔

عشقِ رسول ﷺ

آپؒ کی ساری حیاتِ طیبہ عشقِ سرکار سے مزین اور منور تھی۔ خلوت وجلوت میں' سفر وحضر میں یا تقریر و تحریر میں کوئی لمحہ اسوۂ رسول کے خلاف نہیں گزرتا تھا۔ قصیدہ بردہ شریف، دُرودِ مُستغاث شریف روزانہ کے وظائف میں شامل تھے۔ "**امام الرسل و یاسیدی انت باب الله و معتمدی فبد نیای و با'خرتی یارسول الله خذبیدی**" اکثر وردِ زبان رہتا۔ جب کوئی نعت خواں امامِ اہلِ سنت حضرت بریلوی قدس سرہ کا کلام پیش کرتا یا کوئی مقرر عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی گفتگو کرتا تو آپ اشک بار ہو جاتے۔

حضرت ریاض الملّت نے مسلکِ حقہ اہلِ سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت میں اور فکرِ اعلیٰ حضرت کے فروغ میں بے مثل کردار ادا فرمایا۔ میدانِ تدریس وتالیف اور تحریر وتقریر کے علاوہ مناظرہ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ہمت وجرأت اور شجاعت ودلیری جو کہ اعوانوں کا خاصہ ہے آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں آپ نے

اپنے ضلع اٹک میں اہلِ سنت کی بھرپور قیادت فرمائی۔

زیارتِ حرمین طیبین

حضرت ریاض الملّتؒ نے ۱۹۸۰ء میں حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس مبارک سفر کی روئداد پر مشتمل آپ نے ایک رسالہ بہ نام "سفر نامۂ حج مبارک" رقم فرمایا جو کہ طباعت کا منتظر ہے۔

وصال مُبارک

حضرت ریاض الملّتؒ نے ۱۳۔ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ مطابق ۶۔ جولائی ۲۰۰۱ء بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا۔ ہر سال اسلامی تاریخ کے مطابق آپ کا عرس مبارک آستانہ عالیہ فیض آباد شریف شہر اٹک میں انتہائی عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆

انوارالکریمین

پروفیسر محمد انور بابر☆

دروازے

جنت کے آٹھوں دروازے بیت اللہ شریف کی طرف کشادہ ہیں۔ایک دروازہ میزاب، ایک حجرِ اسود، ایک رُکنِ یمانی یا قیامِ ابراہیم، ایک زَم زَم، ایک صفا اور ایک دروازہ مروہ کی طرف کھلتا ہے۔

نمازوں کا اجر وثواب

بیت اللہ شریف کی ایک نماز کا ایک لاکھ جب کہ باجماعت نماز پڑھنے کا پندرہ لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔اس سرزمینِ مقدسہ پر جب کوئی دُعا کرتا ہے تو فرشتے آمین آمین کہتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ میں میزاب کے نیچے حطیم کے وَسط میں ایک حسین وجمیل قبلہ بیت المقدس کے نام سے بنایا گیا تھا؛ جو اس بات کی علامت تھا کہ بیت المقدس اس سمت واقع ہے؛ اور یہ بات یقیناً صحیح بھی ہے۔کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے تحویلِ قبلہ سے پہلے حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کے درمیان کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا اور پڑھایا کرتے تھے،سعودی دور (۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۶ء) میں اس قبلہ مبارک کو بھی مسمار کر دیا گیا۔(تاریخ القویم۔جلد۳)

رُکنِ یمانی

بیت اللہ شریف کے چار کونے چار ارکان سے معروف ہیں۔مشرقی کونہ حجرِ اسود، شمالی کونہ رُکنِ عراقی، شمال مغربی کونہ رُکنِ شامی یا مغربی اور جنوبی مغربی کونہ رُکنِ یمانی کہلاتا ہے۔

وجہ تسمیہ

امام سہیلیؒ اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جس معمار نے گوشہ تعمیر و مرمت کیا اس کا نام ابی بن سالم تھا جو یمن کا باشندہ تھا۔اس لیے اسی کے نام سے یمانی مشہور ہو گیا۔(روض الانف، جلد اول، ص ۱۲۹)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام طواف کے دوران چاروں کونوں کا استلام کرتے تھے لیکن قریش کی تعمیر کے وقت رُکنِ عراقی اور شامی قواعدِ ابراہیمی کے مطابق نہ رہے؛ اور اس حصہ کو بھی گرا کر نصف دائرہ کی صورت میں

☆ پروفیسر (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

نشاندہی کے لیے دیوار بنادی گئی۔ جسے حطیم کہتے ہیں۔یعنی یہ دونوں کونے اب حطیم کے اندر آ گئے ہیں۔

رُکنِ یمانی کی پہچان

بیت اللہ شریف میں رُکن یمانی کی پہچان یہ ہے کہ اس کونہ پر غلافِ کعبہ نہیں ہوتا اور اینٹ پتھر دِکھائی دیتے ہیں۔

طواف کے دوران لوگ حجرِ اسود کی طرح اس کا بوسہ ہر چکر پر دیتے ہیں۔گرچہ سعودی شُرطے یہاں پر کھڑے ہوتے ہیں اور استلام (بوسہ) سے روکتے ہیں۔

ہادئ اکبرﷺ کا طریقہ

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا۔لیکن رُکنِ شامی اور عراقی چوں کہ قواعدِ ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لیے آپﷺ نے ان کا استلام نہیں کیا۔(بخاری، جلد ا، ص ۲۱۵۔ مسلم، جلد ا، ص ۴۱۲)

صحابہ کرام کا طریقہ

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں کبھی بھی ترک نہیں کیا۔جب سے رسولِ مقبول کریمﷺ کو استلام کرتے دیکھا ہے ہم بھی اس کے کاربند ہوگئے۔(بخاری شریف، جلد ا)

استلامِ حجرِ اسود اور استلامِ رُکنِ یمانی کا فرق

امام المحدثین امام نوویؒ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں استلام حجرِ اسود اور استلام رُکنِ یمانی کا فرق یوں بیان کرتے ہیں۔ ”رُکنِ یمانی سے حجرِ اسود دو فضیلتوں کا حامل ہے۔اس لیے اس کا استلام (بوسہ چوم کر یا ہاتھ سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ایک فضیلت تو اس میں یہ ہے کہ اس میں حجرِ اسود پایا جاتا ہے۔اس کے برعکس رُکنِ یمانی صرف ایک فضیلت کا حامل ہے۔کہ وہ قواعدِ ابراہیمی پر قائم ہے۔لہٰذا اس کا استلام صرف ہاتھ لگا کر کیا جائے، بوسہ (چوم کر) نہ دیا جائے۔لیکن دوسرے دو اَرکان رُکنِ عراقی کا بوسہ نہ لیا جائے اور نہ استلام کیا جائے۔کیوں کہ یہ ارکان قواعدِ ابراہیمی کے مطابق نہیں۔

رُکن یمانی کے فضائل

بابِ جنت: حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود جنت کے دو دروازے ہیں۔(جامع

لطف، ص۲۷)

جبرائیل علیہ السلام کا مسکن

حضرت عطاؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ بڑی کثرت سے رُکنِ یمانی کا استلام کیوں کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جب بھی اس رُکن کے پاس پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام کو یہاں موجود پایا؛ جو استلام رُکن یمانی کرنے والے کے لیے دُعائے مغفرت کررہے ہیں۔

قبولیتِ دُعا کا مقام

امام ابنِ جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے اللہ کریم نے رُکن یمانی پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے۔ دُعا کرنے والا جب وہاں سے گزرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے (مشکوٰۃ شریف۔ ص۲۲۷)

رُکنِ یمانی کی دُعا

سیدنا ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رُکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں۔ جو شخص یہ دُعا پڑھتے ہوئے گزرے تو آمین کہتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسۡئَلُکَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِیَه فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰ خِرَة... رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ...

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے دُنیا اور آخرت میں مغفرت اور عافیت کی دُعا کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب! دُنیا اور آخرت میں ہمیں بھلائی عطا کر اور آگ کے عذاب سے بچالے۔

تعمیرِ کعبۂ ابراہیمی کی خصوصیات

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے پتھر پر پتھر رکھ کر دیواریں اُٹھائیں، گارہ، مٹی، چونا، یا کوئی چیز استعمال نہیں کی۔ آپ علیہ السلام نے کعبہ شریف مستطیل شکل میں بنایا۔ تعمیر میں چار رُکن، رُکنِ حجرِ اسود، رُکنِ عراقی، رُکنِ شامی اور رُکنِ یمانی بنائے گئے؛ اور چاروں کا استلام چھونا اور چومنا کیا جاتا تھا۔ مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا جس کے کواڑ نہ تھے اور کسی اور چیز سے بھی بند نہیں کیا جاتا تھا۔ بل کہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ دروازہ زمین کے برابر گراؤنڈ سطح پر تھا اور بلندی پر نہ تھا۔ حطیم والی جگہ کعبہ شریف میں شامل تھی۔ کعبہ شریف پر غلاف نہ تھا۔ سب سے پہلے شاہ طبع حمیری نے غلاف چڑھایا تھا جو حضور اکرم ﷺ سے چار سو سال قبل حرم شریف آئے تھے۔

طول وعرض

کعبہ ابراہیمی کی بلندی ۱۳۔فٹ ۶۔انچ یعنی ۴۔میٹر ۱۰۔سنٹی میٹر تھی۔دروازہ والی مشرقی دیوار اڑتالیس ۴۸۔فٹ ۶۔انچ یعنی ۱۴۔میٹر ۳۳۔سنٹی میٹر تھی۔حطیم کی جانب دیوار ۳۳۔فٹ یعنی ۱۰۔میٹر تھی۔اور رُکن یمانی اور حجرِ اسود کی درمیان دیوار ۳۰۔فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵۔سنٹی میٹر تھی۔جب کہ رُکن شامی سے رُکنِ یمانی تک کی دیوار ساڑھے چھیالیس فٹ یعنی ۱۳۔میٹر ۸۵۔سنٹی میٹر تھی۔دروازے کے سامنے دائیں جانب ۴۔فٹ ۶۔انچ یعنی ایک میٹر ۳۷۔سینٹی میٹر گہرا گڑھا تھا۔

قدوۃ المومنین امام ازرقی بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آرمینا سے بُراق پر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ان کے ساتھ سکینہ تھی جس کا منہ بھی تھا اور وہ کلام کرتی تھی۔اور ایک فرشتہ بیت اللہ کی جگہ کی نشاندہی کرتا تھا۔جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو اسماعیلعلیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ان کی عمر بیس سال تھی۔اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا انتقال ہو چکا تھا۔اور ان کی قبر شریف حطیم میں بنائی گئی تھی۔آپ علیہ السلام نے بیٹے کو حکمِ خداوندی سے آگاہ کیا۔بیٹے نے دریافت کیا کہ کعبہ کس جگہ بنایا جائے گا۔تو فرشتہ نے جگہ بتادی۔

پھر دونوں باپ بیٹا بنیادیں کھودنے لگے۔ان کے ساتھ تیسرا کوئی بھی معاون نہ تھا۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کھدائی کرتے ہوئے ان بنیادوں تک پہنچ گئے۔جو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں۔تو ان میں اتنے بڑے بڑے وزنی پتھر تھے جنھیں تیس آدمی بھی مل کر نہیں اُٹھا سکتے تھے۔(اخبارِ مکہ،ص ۳۰) دورانِ تعمیر جناب خلیلعلیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ دُعا کرتے۔**ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.**

امام ابنِ کثیر نے ارقام فرمایا ''کہ انھوں نے یہ دُعا بھی کی تھی'' اے اللہ ہمیں مسلمان (اپنا اطاعت گزار) بنادے۔یعنی مخلص اور مطیع بنا۔شرک سے بچا۔ریا کاری سے محفوظ فرما اور خشوع و خضوع کی نعمت عطا فرما۔ (تفسیر ابنِ کثیر)

کعبہ معظمہ اور اس کے متعلقات کے ذرہ ذرہ میں شانِ الوہیت کے جلال و جمال کی جلوہ گری ہے۔میری زیرِ نظر کتاب کا موضوع ''تاریخ حجاز'' نہیں۔ورنہ تحقیقی و تفصیلی مواد کے انبار پیشِ نگاہ ہیں۔جو ہزارہا صفحات کے متقاضی ہیں۔

۸۔اپریل ۱۹۹۵ء کی صبح کا سورج بیت اللہ شریف کی تابانیوں سے ضیا بار کرتا رہا؛ اور وجود کی کائنات کے

تاریک گوشے منور ہوتے گئے۔عقل حیران رہی کہ

کہاں آلود کہاں بابِ منور
کرم آثار در ہے اور میں ہوں

والدہ محترمہ کی گمشدگی

آغازِ رُوودادِ سفرِ حجاز مقدس میں عرض کیا گیا کہ اس مبارک سفر میں میری والدہ محترمہ بھی میری ہم سفر تھیں۔بل کہ میں ان کا ہم سفر تھا۔یہ کعبہ معظّمہ میں ہماری حاضری کا پہلا دن تھا؛اور میری والدہ بھی ہمارے گروپ کی خواتین کے ہمراہ طواف وزیارت میں مصروفِ عمل تھیں کہ مجھے نمازِ ظہر کے بعد خبر ملی کہ والدہ ماجدہ مذکورہ خواتین کے گروہ سے بچھڑ گئی ہیں۔میں نے حرم شریف کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن کہیں بھی بچھڑے ہوؤں کا سُراغ نہ مل سکا۔صفاومروہ میں گھوم آیا،جبلِ ابوقبیس کی طرف کے لان میں دیکھا۔قریبی مسقف بازار میں بسیار تلاش کیا لیکن بےسُود۔

عشاء تک حرم شریف میں رہا،کبھی چاہِ زَم زَم،کبھی مقامِ ابراہیم علیہ السلام،حطیم،مسجدالحرام میں خواتین کے بلاکوں،دالانوں ہر مقام پر تلاش کیا لیکن اُس نے نہ ملنا تھا نہ ملی۔جا بہ جا جو ساتھی بھی ملتا والدہ کے بارے میں استفسار کرتا کہ والدہ کا کچھ پتا چلا(''مورخد پتہ دے لگی)؟لیکن میری طرف سے جواب مایوسانہ۔والدہ کی گمشدگی سے تشویش لحہ بہ لحہ بڑھتیں جارہی تھی۔کیوں کہ اگلے روز اپریل کی ۹۔اور ذیقعد کی بھی ۹۔تاریخ تھی اور ہم نے مدینہ منورہ جانا تھا۔متفکر تھا کہ اگر خدانخواستہ والدہ نہ ملی تو وہ مدینہ پاک کی حاضری سے رہ جائیں گی اور میرا بھی سرکارِ ابدقرار کی بارگاہِ گوہربار میں حضوری کا مزہ کرا کرا ہو جائے گا۔

لیکن یقین تھا کہ جس بڑے داتا کے بڑے دربار میں حاضر ہیں وہاں زبان سے لفظوں میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔وہ علیم بذات الصدور کی شان رکھنے والی ذات دِلوں کے احساسات کا ادراک بھی رکھتی ہے۔اس کے نزدیک میری اس پریشانی کا ازالہ آسان ہی نہیں جنبشِ مژگاں سے بھی پہلے حل ہو جائے گا۔

ایک میں کیا میرے غم کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

اطمینان سے طواف کیا۔حرم شریف سے رہائش گاہ پہنچا تو والدہ محترمہ کو وہاں موجود پایا۔بے چاری بھٹک کر راستہ بھول گئی تھی۔بازو پر رہائش گاہ کے ایڈریس کی پٹی تھی۔چناں چہ سعودی کارندوں نے انھیں اپنی قیام گاہ تک

پہنچادیا۔

والدہ مرحومہ کی یاد میں

قارئینِ انوارلکر یمین ! ۱۹۹۵ء کی یادوں کا سفر نامہ جس کی اشاعت جولائی۔۲۰۱۶ء سے ’’ قندیلِ سلیماں ‘‘، میں باقاعدہ قسط وار ہورہی ہے۔آہ! جس ماں کوحرم شریف کی فضاؤں میں ۸۔اپریل ۱۹۹۵ء کوکھودیا تھا۔لیکن وہ جدائی صرف ایک دن کی تھی؛اوراب اس عظیم ہستی کو ہمیشہ کے لیے کھودیا ہے۔وہ اب لکی مروت کے بخاری قبرستان میں منوں مٹی میں آسودۂ خاک ہیں۔آپ کا وصال ۱۷۔شعبان ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۵۔مئی ۲۰۱۶ءکو ہوا۔

فیضان جس کا جاری تھا بابَر کے باغ میں
اب وہ نہیں اور یادیں ہیں سینے کے داغ میں

قارئین ’’قندیلِ سلیماں‘‘ سے استدعا ہے کہ مرحومہ کی بخشش اور بلندیٔ درجات کے لیے دُعا کریں ۔میں نے والدہ مرحومہ کی یاد میں ایک طویل ’’وصال نامہ‘‘ لکھا ہے۔اس کا انتخاب آپ سب کی نذر ہے۔

وصال نامہ

والدہ مرحومہ کی یاد میں

تو اے ماں ! جنت نشاں تسکینِ جاں
روشنی دل کی اُجالوں کا سماں

تیری شفقت میں ضیا ہے طُور کی
تیری فُرقت ہی رِفاقت حُود کی

ہر گھڑی تجھ کو ہمارا خیال تھا
یوں گزرتا ہر مہینہ سال تھا

جب نکلتے گھر سے ، کرتی انتظار
دیر ہو جاتی تو ہوتی بے قرار

کون پوچھے گا ہمارا حال اب
کس کو آئے گا ہمارا خیال اب

کون ہوگا؟ ہجر میں اب بے قرار
ہائے ہمارا کس کو ہوگا انتظار

''عمر بھر اپنی تو خدمت کر رہی
ہو گئے خدمت کے قابل چل بسی''

بُجھ گئے روشن اُجالوں کے دِیے
گھر میں آئیں گے نہ دیکھیں گے تجھے

بن تیرے دُنیا میں جی لگتا نہیں
اب نگاہوں میں کوئی جچتا نہیں

جن کی مائیں زندہ ہیں زندہ رہیں
چاہتوں کے کعبے تابندہ رہیں

آسمانوں سے نہ پھر بجلی گرے
ماں کسی کی بھی نہ اے مولا! مرے

تو مَری تو گویا دُنیا مَر گئی
بستیاں ویران کتنی کر گئی

آگئے پیارے مگر خاموش ہے
حال تک پوچھا نہیں بے ہوش ہے

دیکھنے کو آنکھ تک کھولی نہیں
جا رہی ہے دُور کیوں؟ بولی نہیں

وہ بھی دن تھے راہ تکتی تو مدام
مامتا کی تیغ ہوتی بے نیام

چومتی سَر تھی بہاتی اشک تھی
ہر ادا پر کتنا کرتی رَشک تھی

آہ! محبت کی وہ دُنیا لُٹ گئی
گویا دُنیا میں نہ تھی یوں مٹ گئی

مومنہ تھی ، نیک، روزہ دار تھی
تو محبِ احمدِ مختار تھی

زندہ ہے مؤمن کبھی مرتا نہیں
راز یہ زندوں پر کھلتا نہیں

یہ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب ، فنا ہوتا نہیں

موت سے گر ٹوٹتا سازِ حیات
تو نہ ہوتا عام یوں سوزِ ممات

زِیست کے جوہر پہ آتی دُھول ہے
تو نکلتا خاک سے پھر پھُول ہے

جنّتوں میں زندہ تُو ہے ہوش میں
رحمتِ یزداں کی ہے آغوش میں

تُو زمیں پر خاک کی چادر تلے
آسماں کا سائباں سایہ کرے

جو خطا ہم سے ہوئی کر دے معاف
تیری تُربت کا کریں قُدسی طواف

ہو ودِیعت خُلد میں عالی مقام
رفعتوں پہ تیری ہوں صد ہا سلام

خُلد میں قربت خدیجہؓ کی ملے
فاطمہؓ کا دامنِ شفقت ملے

ساتھ ہوں سب مومنوں کی اُمّہات
مصطفیٰ کے صدقے ہو تیری نجات

ہے دُعا بارش وہاں آیا کرے
بارشیں رحمت کی برسایا کرے

[تضمین علامہ اقبالؒ]

''مدینے کا سفر ہے اور میں ہوں''

فرازِ عرش پر ہر زائر دربار ہوتا ہے
مدینہ میں رسول اللہﷺ کا دیدار ہوتا ہے

اُس رحیم وکریم کی شان کریمی کا کیا کہنا کہ آخر وہ دن بھی آ گیا کہ دِن گنے جاتے تھے جس دن کے لیے ذیعقد کی ۷۔ سات اور اپریل کی نو ۹۔ اتوار کا دن تھا۔ بعد از نمازِ فجر دیارِ حبیب مدینہ منورہ کو روانگی تھی۔

اے زائرِ طیبہ! شبِ ہجراں کی سحر ہے
پر برقِ تپاں ، شُعلہ فِشاں داغِ جگر ہے

اک نُور ہے پلکوں پہ دمکتے ہیں ستارے
دِل تھام کہ مکہ سے مدینے کا سفر ہے

نمازِ فجر کعبہ مشرفہ کے سامنے ادا کی۔ طواف کیا اور رہائش گاہ پر پہنچا۔ ضروری سامان اُٹھایا اور روضہ انور

پر حاضری کی نیت کی۔ کیوں کہ ہمارے آقا و مولاﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو آدمی مدینہ منورہ صرف میری زیارت کو آئے۔ اس کے سوا کوئی اور غرض نہ ہو تو مجھ پر حق عائد ہوتا ہے کہ میں قیامت کے دِن اُس کی شفاعت کروں۔“

زہے نصیب، سوئے دیارِ حبیبﷺ جانے والی مقررہ بس میں جا بیٹھے۔ آگے کی سیٹ پر میری والدہ محترمہ کسی خاتون کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ میرے سیٹ فیلو غلام حسین عُرف ”پاکستان“ تھے۔ چوں کہ موصوف کی پیدائش ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوئی تھی۔ اس لیے پاکستان کے نام سے معروف ہو گئے۔ کمزور و نحیف، عاشقِ رسولﷺ اور مُحبِ اہلِ بیت تھے۔ دورانِ سفر ہمیں صحابہ کرام و اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ عنہم کے مناقب و فضائل سناتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی۔

اللہ اللہ! مدینہ پاک کے رُوح پَرور سفر میں ایسے جگر سوختہ کی رفاقت غنیمت رہی کہ اس بہانے دِل کے جذبوں کے اظہار کا موقع ملا۔

آ عندلیب! مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پُکار میں پُکاروں ہائے دل!

روانگی:

اُدھر دیارِ حبیب کو گاڑی روانہ ہوئی اور اِدھر روح و جان رقص کرنے لگی۔ روحانی جذبے دِل سے دِماغ کو عود کر آئے اور لفظوں کے پیکر میں ڈھل کر عقیدت کے موتی نچھاور کرنے لگے۔

معطر کیف سے قلب و جگر ہے
کرم پَرور مدینہ کا سفر ہے

حرم سے اب مدینہ جا رہے ہیں
غلافِ نور میں لپٹی سحر ہے

بڑی ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہیں
ترے کوچہ کے آنے کی خبر ہے

مدینہ کی طرف کعبہ سے جانا
بتاتا ہے جدھر تُو ، حق اُدھر ہے

اُدھر گھومے زمانہ گردِ کعبہ
مگر ہوتا طوافِ دِل اِدھر ہے

خوشا انوؔر مواجہ سامنے ہے
میرے آقا ہیں اور کامل نظر ہے

حجازِ مقدس سے روانگی سے قبل خیال تھا کہ اس مبارک سفر کے دوران ''شعروشاعری'' کا سلسلہ منقطع رکھوں گا۔ یہ وقت ذکراذکار میں صرف کروں گا۔لیکن سرزمینِ محبوب میں قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ شعر نہ کہنے کا اختیار مجھے نہیں۔شاعری انسان کی ضرورت نہیں بعض اوقات مجبوری بن جاتی ہے۔اگر احساسات جذبوں کے سانچوں میں ڈھل کر طلبِ اظہار مانگیں تو شعر کی زبان ہی اظہار کا حق ادا کرسکتی ہے۔اور اس اظہار سے تھکی ماندی آتما کو قرار مل سکتا ہے۔

مبلغینِ اسلام کے مبلغِ اعظم حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ اس مقام پر وارداتِ دِل کی کیفیت کیسے دِل نشیں انداز میں بیان کرکے ہمیں محبت کے رموز واسرار سے آشنا کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔

''اے طالب! میں ہر روز یار کے دیدار کو جاتا ہوں کبھی کبھی وہ ماہِ خنداں نظر آتا ہے۔رُخِ محبوب دیکھتے ہیں غزل کی آمد ہوتی ہے اور میری جس قدر بھی غزلیں ہیں وہ تمام کی تمام بغیر زورِ طبیعت کے وارد ہوتی ہیں۔میں عاجز اور پُرتقصیر ہوں۔'' (کشف الاسرار۔ص ۳۶)

شاعری معراجِ بشریت ہے

شعور کی آنکھ شاعری کی آغوش میں کھلتی ہے۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب عہدِ قدیم میں فلسفہ ودانش کے فعلِ ابجد غیر مفتوح تھے تو شاعری کے قفل کھلے ہوئے تھے۔اور انسانی احساسات وجذبات شعر کی زبان اختیار کررہے تھے۔جب ہم ماضی کی سمتِ بعید کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں کے طویل

سلسلے، صحراؤں کی حدود فراموش وسعتیں، غاروں کی پُر اسرار تنہائیوں میں انسانوں کی رِفاقت اور دوستی کا حق ان اشعار نے ادا کیا جو جذبات اور طوفانِ تخیل میں سفینہ کی طرح ابھرے اور موجوں میں پھیل گئے۔

شاعری تو ایک آئینہ ہے۔ جب انسانی افکار و احساسات کی تصویر نظر آتی ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں انسان کی فکری اُٹھان اور اس کے انتخاب کی قیمت کا تعین ہوتا ہے؛ اور یہیں اس کی شخصیت کا تعین ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور معاشرہ کو کیا دے رہا ہے؟ اور کیا اس نے انسان کی منزلِ اولین کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کی یا نہیں۔ اس پر بلاشبہ ''حیوانِ برتر'' کی غمازی کا سہرا ہے۔

زُلفوں کی شام، رُخسار کی سحر، آنکھوں کے میکدے، رفتار کی گُل ریزی۔ چال کا جادو، بال کی خوشبو، شاعری کا سنگار مختلف تراکیب ہیں جو شاعری میں شاعر برتتا ہے۔ لیکن اس نقشہ کشی اور محاکات میں کوئی درسِ افادیت مضمر نہیں۔ یہ اپنے جذباتِ ناآسودہ اور تمناہائے رسیدہ، آرزوہائے گریباں دریدہ کی ایک چیخ ہے جو شاعری بن گئی ہے۔ شاعری درحقیقت وہی ہے جس میں احساسات کی ترجمانی کی گئی ہو۔ جو اخلاقی اقدار کی تشکیل اور انسانیت کی تکمیل کرتی ہو۔ جو انسانیت کی سدرہ نشیں اور عبدیت کو منزلِ ''قابِ قوسین'' دکھاتی ہو۔ یہی وہ شاعری ہے جو نوعِ بشر کے لیے پیغمبری ہے اور زندگی میں آگاہی کی تابندگی ہے۔

''جب انسان کے دل میں قوتِ گویائی اور جوششِ مضمون، مجتمع ہوتے ہیں تو طبیعت سے خود بہ خود کلامِ موزوں پیدا ہوتا ہے۔ حرم شریف سے حرمِ نبوی ﷺ کا سفر ہو۔ گنبدِ حضرا کے سبزہ زار کا منظرِ روح وجاں کو تازگی بخش رہا ہو؛ تو پھر طبیعت میں جوش اور دِل میں قوت گویائی کا جذبہ نہیں اُبھرے گا تو کب اُبھرے گا۔ اور جہانِ سخن گستری میں غزل سے بڑھ کر زائرِ مدینہ کی ترجمانی کونسی صنفِ شاعری کر سکتی ہے۔

غزل

روشن ہیں بام و در کہ غزل کہہ رہا ہوں میں
تاروں میں آ قمر! کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

زُلفوں کے پیچ کھول کہ آمد ہے شعر کی
تھامو! ذرا جگر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

لفظوں میں تیرے حسن کا فوٹو ہے کھینچنا
بیٹھو ذرا اِدھر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

ٹھہرو! غزالی آنکھوں کا کرنا ہے تذکرہ
ترچھی کرو نظر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

باغوں میں داد جھوم کے دیتی ہیں بُلبلیں
سُنتے ہیں بحر و بر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

گُزری شبِ فراق ہے آثارِ وَصل ہیں
نزدیک ہے سحر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

انوؔر مجھے حسینوں سے کرنی ہے گفتگو
کردو انھیں خبر کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

دِل روحانی، عرفانی اور ایمانی جذبوں سے سرشار ''سُوئے مدینہ'' رواں دواں تھا۔ مدینے کا کارواں روانہ ہوا۔ خوبصورت بس ''حرم شریف'' کی بلند و بالا دیواروں، پیچ دار کونوں پر سے گھومتی ہوئی مدینہ روڈ پر آنکلی؛ اور صاف شفاف چوری چکلی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ راستے میں ایک جگہ پر ڈرائیور نے گاڑی روک لی اور عازمینِ مدینہ سے ''پاسپورٹ'' جمع کر کے گاڑی سے اُتر گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد آیا اور پھر سوئے مدینہ گاڑی روانہ ہوئی ۔راستے میں سڑک کے کنارے کوئی مکان، بستی، ہوٹل وغیرہ نہیں تھا۔ درخت اور پودے نہ ہونے کے برابر تھے۔ البتہ تاحدِ نگاہ پتھر ہی پتھر بکھرے پڑے دِکھائی دیتے تھے۔ میں تصوراتی دُنیا میں کھو گیا۔ تخیل نے عرش کی بلندیوں کو چُھو لیا۔ اور کیوں نہ چُھوتا کہ یہ عام پتھر نہ تھے۔ ان پتھروں کو اُس محبوب سے نسبت تھی جس کی خاطر ربِ عالم نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا۔

یہی وہ رشکِ لعل و گہر پتھر تھے جن پر کائنات کے مولا حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ان بکریوں میں رضائی والدہ نے ایک بکری آپ ﷺ کے نام بھی کر رکھی تھی۔اس لیے کہ آپ کو بکریوں سے محبت تھی۔اور فرمایا کرتے ''بکری جنت کا جانور ہے''،تاریخِ مکہ بتاتی ہے کہ ایک موقع پر سرکارِ ابد قرار ﷺ علالت کے باعث کئی روز بکریاں چرانے نہ گئے۔آپ کا ریوڑ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے لے جاتے۔

ایک دِن حلیمہ کے بیٹے نے واپسی پر آکر بتایا کہ وہ بکری جو محمد ﷺ کے نام کی تھی' شیر اُٹھا کر لے گیا ہے۔آپ یہ سنتے ہی فوراً اُٹھے کہ شیر کی یہ جرأت کہ میری بکری اُٹھا کر لے جائے۔آپ سوئے کہسار روانہ ہوئے کہ شیروں سے اصل صورتِ حال دریافت کرسکیں۔اس انوکھی رُوداد کے پیشِ نظر مکہ کے لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے کہ جنگلی درندوں سے انسان کا سامنا کیوں کر ممکن ہے؟ شیر حاضرِ خدمت ہوئے اور قدم بوسی کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے۔اے حضور ﷺ !''ہم جو آپ کی بکری لے گئے تھے' وہ ہم نے کھائی نہیں۔ہم اس کو چارہ دیتے ہیں، پانی پلاتے ہیں اور آپ کی طرح نگہبانی کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا تو پھر کس لیے لے گئے تھے؟ جنگل کے بادشاہ نے بتایا کہ جب آپ بکریاں چرانے آتے تو ہم جھاڑیوں سے چھپ چھپ کر آپ کا دیدار پُر انور سے مشرف ہوتے۔کئی دن آپ تشریف نہ لائے تو آپ کی تڑپ نے بے قرار کیا تو ہم نے یہ تدبیر کی کہ آپ کی بکری اُٹھا لیں۔تا کہ اس بہانے آپ کا قُرب حاصل ہو جائے۔

اسی بہانے سے دیدارِ یار ہو جائے

اللہ اللہ! یہی وہ پتھر ہیں جن کے قریب سے آپ گزرتے تو پتھر آپ پر دُرود و سلام پڑھتے۔تاریخ نبوت بتاتی ہے کہ ایک دفعہ صحابۂ کرام آپ کے ہمسفر تھے تو دُرود و سلام کی آواز آئی۔عرض کیا گیا ''پڑھنے والے تو دِکھائی نہیں دیتے''؟ سرکارِ عالم مقام ﷺ نے فرمایا یہ پتھر مجھ پر دُرود و سلام پڑھ رہے ہیں۔عالمِ شباب میں آپ فرمایا کرتے، میں اُس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں۔جب میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چرایا کرتا۔تو مجھ پر دُرود و سلام پڑھا کرتا۔اور شقئ ازل عمر بن ہشام (ابوجہل) کی بند مُٹھیوں میں جن کنکریوں نے آپ کے حکم پر آپ کی برحق رسالت کی گواہی دی اور کلمہ شہادت پڑھا تو وہ کنکریاں بھی اس سرزمین سے اُٹھائی گئی تھیں۔

تصور تخیل بنا۔اور تخیل نے حقیقت کا رُوپ دھار لیا۔طبیعت مچلی اور چشمۂ فیضانِ عقیدت سے موتیوں کی بارش ہونے لگی۔

بارانِ رحمت کے چند ''چھینٹے'' مدینہ کی حسرت رکھنے والوں کے نام بھی کرتا ہوں۔

مدینے کا سفر ہے اور میں ہوں
محمد ﷺ کی نظر ہے اور میں ہوں

غبارِ قلب و جاں دُھلنے لگا ہے
فروغِ چشم تر ہے اور میں ہوں

یہ پتھر دیتے ہیں اُن ﷺ کی گواہی
نشانِ رہ گزر ہے اور میں ہوں

نظر میں سبز گُنبد کے اُجالے
ستارے ہیں، قمر ہے اور میں ہوں

غمِ ہجراں نہ فکرِ وصلِ جاناں
درِ خیر البشر ہے اور میں ہوں

حضوری میں نمازِ بے خُودی ہے
جنونِ با خبر ہے اور میں ہوں

کہاں انوؔر کہاں بابِ منور؟
کرم آثار در ہے اور میں ہوں

ایک بجے سڑک کے کنارے واقع ''لاہوری ہوٹل'' پر ہماری گاڑی رُکی۔

لاہوری ہوٹل:

عربی میں ہوٹل کو ’’خندق‘‘ اور سرائے کو ’’رِباط‘‘ کہتے ہیں۔ مذکورہ ہوٹل کی پیشانی پر عربی میں لکھا ہوا کوئی سائن بورڈ نہیں تھا۔ بل کہ بہ زباں اُردو ’’لاہوری ہوٹل‘‘ لکھا ہوا تھا۔ اس ہوٹل پر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد پہنچے تھے۔ کھانے کی اشتہا زوروں پر تھی لیکن پہلے نمازِ ظہر ادا کی گئی۔ چھوٹی سی مسجد تھی۔ پانی کا نظام بہتر نہ تھا۔ استنجے (چارہ دم) کے لیے بھی معقول جگہ نہیں تھی۔ پھٹے پُرانے ٹین کے ڈبے جابجا پڑے تھے۔ ان میں ہوٹل سے پانی لیا تو آدھا پانی بہہ گیا اور باقی سے بہ صد مشکل وضو بنایا۔ پاکستان میں تو پس ماندہ ہوٹلوں میں بھی وضو وغیرہ کا اچھا انتظام ہوتا ہے۔ ’’لاہوری ہوٹل‘‘ میں بھی لاہور، پاکستان والے بہتر انتظام کرتے تو جانے کتنا ثواب کماتے۔ ہم خرمہ و ہم ثواب۔

کیوں کہ یہاں تو اکثریت مدینہ منورہ جانے والوں یا واپسی پر مکہ معظمہ آنے والے زائرین و حجاجِ کرام کی ہوتی ہے۔

نصیب اپنا اپنا، قسمت اپنی اپنی

نماز باجماعت ادا کی۔ ہوٹل میں پاکستانی کھانا تیار ہو رہا تھا۔ مرغی کا لذیذ روسٹ سالن، پاکستانی پلاؤ اور دیسی تنور کی گرم گرم روٹیاں۔ پیٹ کی آگ کو بُجھایا۔ مشروب اور چائے بھی نوش کیا اور سوئے منزل روانہ ہوئے۔

مدینہ کتنی دُور ہے؟

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب منزل فاصلوں پر ہو تو انسان اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے۔ لیکن جوں جوں منزل قریب آتی جاتی ہے بے تابی بڑھتی جاتی ہے۔ اور جس راہی کی منزل ہی مدینہ ہو اُس کی بے تابی اور روح کی بے قراری کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

ڈوبتی جاتی ہیں نبض اور نظر بے نُور ہے
اک مسافر ہے حرم کا جو تھکن سے چُور ہے

چند سانسیں اور باقی ہیں ذرا جلدی کرو
قافلے والو! مدینہ اور کتنی دُور ہے؟

مدینہ شریف میں ورود:

سرِ شام مدنی آقا ﷺ کے دیس میں وارد ہوئے۔ پاسپورٹ آفس پر گاڑی روک دی گئی۔ ایئرپورٹ کی

طرح پر شکوہ دیدہ زیب عمارت تھی۔ کینٹین پر ہر چیز دستیاب تھی۔ سرکار ﷺ کے لنگر سے چائے نوش کی۔ وضو کا بہترین انتظام تھا۔ چناں چہ وضو کیا اور مسجد میں نمازِ مغرب با جماعت ادا کی۔

رشکِ سحر مدینے کی شام:

۸ ذیقعدہ۔۱۴۱۵ھ (۹۔اپریل ۱۹۹۵ء) اتوار کی اُس شام پر صبح کی لاکھ تابانیاں قربان ہو جائیں۔ جب ''دارِ زَم زَم'' سے حرم نبوی ﷺ میں پہنچا۔ نمازِ عشق ادا کی اور مشرقی سائیڈ سے ''بابِ جبریل'' کے پہلو میں آیا اور گُنبدِ خضرا کو پہلی بار دیکھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے، دیکھتا چلا گیا۔ ستارے روضۂ اطہر کی ضیا پاشیوں کی تاب نہ لا کر رُو پوش ہو گئے تھے اور نویں ذیقعد کے چاند کی بے نور کرنیں سرچشمۂ انور سے نُور کی خیرات لینے سبز گنبد کے بوسے لے رہی تھیں اور میرے نصیبوں کا کیا کہنا کہ '' نظر میں سبز گنبد کے اُجالے'' سمیٹتا ہوا رُوح وجاں کی کائنات کو منور کرتا رہا۔ یہی وہ شام ہے جو میری بے مقصد تاریک زندگی کی ویرانیوں کا اُجالا ہے۔ یہی وہ شام ہے جس کا تصور مجھے لمحۂ صبح جادواں کی روشنی عطا کرتا ہے۔ یہی وہ شام ہے کہ جب ہر سال مدینہ کے قافلے سُوئے حرم روانہ ہوتے ہیں تو کالے ناگ کا رُوپ دھار کر مجھے ڈستی ہے لیکن اس کے ڈسنے میں بھی اک لذتِ روحانی، سوزشِ وِجدانی ہے۔ شامِ غریباں کا یہ زہر میرے لیے تریاق سے بھی بڑھ کر ہے۔

اک آگ سی دِل پگھلاتی ہے جب لوگ مدینے جاتے ہیں
اشکوں کی جھڑی لگ جاتی ہے جب لوگ مدینے جاتے ہیں

وہ شام تھی رشکِ سحر انوؔر جب ہم بھی ''مدینہ'' پہنچے تھے
وہ شام بہت تڑپاتی ہے جب لوگ مدینے جاتے ہیں

مدینہ کے در و دِیوار:

پاسپورٹ آفس میں نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد بس نے حرکت کی اور چند گھڑیوں میں مدینہ شریف کے گلی کوچوں میں پہنچا دیا۔ وارداتِ دل نا قابلِ بیان ہے۔

ترجمہ: جب ہم نے اس محبوب شہر کے نشانات دیکھے جسے شہرِ خوباں نے نشانات کو پہچاننے کے لیے ہمارے پاس نہ دِل چھوڑے اور نہ ہی عقل۔ تو ہم اپنی سواریوں سے اُتر کر پیدل چلنے لگے اس لیے کہ بلند و بالا، ارفع

واعلیٰ شان سے یہ بات کوسوں دُور ہے کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔کوچہٗ دلبراں میں پیدل چل کر تو کیا اگر سر کے بل بھی چلا جائے تو حقِ دلبری ادا نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ: اگر میں آپ ﷺ کے حضورِ فیض گنجو رمیں پاؤں کے بہ جائے سر آنکھوں سے چل کر آتا تب بھی حق ادا نہ ہوتا۔

سر کے بل چلتا ہوا تیری گلی میں پہنچوں

خاکِ درمنہ پہ لگالوں تو تیری نعت کہوں

اے میرے آقا و مولا ﷺ ! مجھ سے ناکارہ نے آپ کا اور کون سا حق ادا کر دیا ہے جو حقِ حضوری بھی ادا کرتا۔

ترجمہ: جب مدینہ طیبہ میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے تو انھوں نے محبت کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔

اور جب اُس کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا تو تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔اور اب نہ کسی قسم کا دُکھ درد باقی رہا۔اور نہ ہی تکلیف وقلق۔قارئینِ کرام یہ صرف شاعرانہ تخیل نہیں سلطانِ مدینہ ﷺ فرمان وحی ترجمان بھی یہی ہے ۔آپ فرماتے ہیں۔

تراب ارفنا شفا القرحنا باذن ربنا.

ترجمہ: ہماری زمین کی مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے زخموں کے لیے شفا بخش مرہم بنایا ہے۔

حُرمتِ حرمِ نبوی ﷺ:

امام مدینہ سیدنا حضرت امام مالک ؒ اس متبرک سرزمین کی حُرمت اور تقدس کے پیشِ نظر سوار ہو کر نہیں چلتے تھے۔آپ فرماتے' مجھے اللہ کریم سے شرم آتی ہے کہ جس خاک پر شاہِ کونین ﷺ کے نقشِ پا ثبت ہوئے ہیں یا میری سواری انھیں پاؤں سے روندے۔اس لیے پاپیادہ چل کر روضۂ انور پر حاضری دیتے۔(فتح القدیر، ج ۳، ص ۹۴، العلم العلماء، ص ۲۷۸)

شہرِ خوباں میں درود کے آداب:

امام ابنِ الہمام المتوفی ۸۶۱ھ / ۱۴۵۷ء فرماتے ہیں۔

جب دیارِ حبیب ﷺ قریب آجائے تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل یا وضو کر لیا جائے۔غسل کرنا افضل ہے۔عمدہ کپڑے پہنے جب کہ نئے کپڑے زیب تن کرنا برتر ہے۔بعض عشاق کا یہ عمل بھی باعث صد تحسین

ہے جو مدینہ باسکینہ کے قریب پہنچ کر پا پیادہ چلتے ہیں۔ادب اور احترام پر بھی ہر کام عمدہ ہے۔عاجزی وانکساری کے ساتھ ڈرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں اور یہ دعا ورد زباں ہو۔رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّجْعَلْنِی مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِیْراً۔

اے میرے ربّ! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا دے اور مجھے خوبی کے ساتھ نکال لے۔اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ دے جس کے ساتھ نصرت دے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَۃِ رَسُوْلِکَ ﷺ مَا رَزَقْتَ اَوْلِیَائِکَ وَاَھْلِ طَاعَتِکَ وَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ ...

اے ربِ کریم! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اپنے رسول ﷺ کی زیارت سے نعمتیں عطا فرما جو تو نے اپنے محبوب اور فرماں بردار بندوں کو عطا فرمائیں۔میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ یہ دعا باعثِ خیر و برکت ہے

اے اللہ! تیرے پاک نبی ﷺ کا یہ حَرم ہے۔ اس لیے میرے لیے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنادے۔عذاب سے حفاظت اور حساب کی بُرائی سے بچنے کا سبب بنادے۔

(فتح القدیر، ج ۳، ص ۹۴، العلم العلما، ص ۲۷۸)

[جاری ہے-----]

☆☆☆☆

قسط سوم

سفر نامہ حج

فیض محمد☆

حاجی صاحبان کے لیے آج کا دن زیادہ محنت مشقت اور بہت زیادہ مصروفیات کا ہے۔١١۔١٢۔ ذی الحجہ کو ظہر کے بعد تینوں شیطانوں کو رَمی کرنا ہوگا۔اور١٢۔ ذی الحج کو تیسرے شیطان کو رَمی کر کے سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے نکلنا ہوگا ورنہ اگلے دن ١٣۔ ذی الحجہ کی رَمی بھی کرنی ہوگی۔مگر دیکھا گیا ہے کہ قریباً ٩٥ فی صد لوگ ١٢۔کو رَمی کر کے واپس مکتہ المکرمہ میں آجاتے ہیں۔یہ احکام بجالانے کے بعد حج مکمل ہوگیا۔اب آپ بیت اللہ شریف میں اپنے بقایا قیام کے پروگرام کے مطابق طواف کریں۔عمرہ شریف ادا کریں۔عبادتِ الٰہی کریں۔یہ آپ کی روحانی قوت اور توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔

راقم یہ دو واقعات بہ طورِ اصلاح تحریر کر رہا ہے۔الحمد اللہ سال ١٩٨٥ء میں ماہِ رمضان شریف سے قبل اللہ کے کرم و فضل اور مرشدِ کریم کی دُعا سے ٤۔ماہ کے لیے خادمِ حرم بیت اللہ شریف میں بھرتی ہوا اور وہاں معیاد کے خاتمہ پر انھوں نے یہ اجازت دی کہ اگر کوئی خادم یہاں پر خوشی سے ٤۔سال کے لیے رہنا چاہتا ہے تو درخواست دے۔میرے لیے اس سے زیادہ خوش بختی کیا ہوسکتی تھی۔کہ حرم کعبتہ اللہ شریف کی خدمت کے لیے سنہری موقعہ مل رہا ہے۔میں نے بھی درخواست دی جو منظور ہوئی۔اور الحمد للہ ٤۔سال تک بیت اللہ شریف میں حاضری مبارک اور خدمت بہ طور خادم کی سعادت حاصل ہوگئی۔

سال ١٩٨٦ء کے حج مبارک کے ایام قریب تھے کہ ایک حاجی صاحب جو بالکل سیدھا سادہ آدمی تھا۔مجھ کو حرم شریف میں ملا۔میں چھٹی کے بعد اپنے سادہ لباس میں تھا تو مجھ سے پوچھا کہ تم حاجی ہو تو میں نے کہا جی ہاں البتہ پاکستانی لباس تو ایسا ہے کہ ہزاروں میں کھڑے ہوں تو نظر آئے گا کہ یہ پاکستانی ہے۔

اُس حاجی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں حج پر آیا ہوں۔کافی دن ہوگئے۔

لیکن مجھ کو ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی' میں نے کہا کہ بابا جی بتایئے۔اُس نے کہا کہ پاکستان میں لوگ مجھ کو کہتے تھے کہ مکہ میں اللہ پاک کا کوٹھ ہے لیکن مجھے تو وہ کوٹھ نظر نہیں آرہا۔یقین کریں کہ ہم ''باب الملک عبد العزیز'' کے برآمدہ شریف میں کھڑے تھے اور سامنے بیت اللہ شریف نظر آرہا تھا۔دِن کا وقت تھا۔میں نے اُس حاجی صاحب کو بتایا

☆ محلّہ محبوب خیل، عیسیٰ خیل (میانوالی)

کہ بابا جی یہ سامنے جو کالے رنگ کا غلاف مبارک نظر آ رہا ہے یہی بیت اللہ شریف' اللہ کا گھر ہے۔ پنجابی میں اللہ کا کوٹھ ہے تو وہ حاجی صاحب بڑا خوش ہوا اور کہا کہ اللہ آپ کا بھلا کرے کہ میری پریشانی ختم کردی۔

حج کے بعد میری بیت اللہ شریف میں مطاف (طواف والی جگہ) برآمدہ کے ساتھ بابِ فتح کے قریب زَم زَم کے پانی مبارک کے کولروں پر ڈیوٹی تھی۔ ان کو صاف کرنا' پانی پورا کرنا ہوتا تھا۔ کہ ۲۔ میاں بیوی جو کہ لاہور سے آئے تھے۔ اچھے صحت مند تھے۔ عمر ۵۰ سال کے قریب تھی۔ وہ بزرگ میرے پاس آیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی عمرہ پر آئے ہیں۔ ہم نے سات چکر پہاڑ کے تو لگائے ہیں' کیا اور بھی کام باقی ہے؟ انھوں نے پہلے صفا مروہ کے سات سا ت چکر لگائے۔

حالاں کہ عمرہ شریف کے لیے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ہوتا ہے پھر صفا مروہ کے سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔ تو میں نے اُن سے کہا کہ محترم آپ نے طریقہ غلط کیا ہے۔ پہلے آپ بیت اللہ شریف کا طواف کریں پھر صفا مروہ کی سعی کریں۔ وہ تو رضامند ہو گیا' اس کی بیوی نے کہا کہ ''بس کروے بھائی میں تو تھک گئی ہوں'' اللہ معاف کرے گا۔ وہ تو بیٹھ گئی میں اُن کے ساتھ چلا گیا۔ اس کو نیت کرا کے طواف کے سات چکر مکمل کروائے۔ پھر مقامِ ملتزم پر یہ دُعا کی، مقامِ ابراہیم پر ۲۔ رکعت نفل واجب طواف کے مکمل کرائے اور اس کو آبِ زم زم کا پانی پلایا جو کہ اللہ کے گھر کا طواف مکمل ہونے پر پینا ہوتا ہے پھر دُعا مانگنی ہوتی ہے۔ میں نے ایک دوسرے ساتھی کی ڈیوٹی لگائی جو کہ صفا مروہ میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔ کہ میں نے اس حاجی صاحب کو سات چکر صفا مروہ کے مکمل کرائیں تو اس نے اُس کے سات چکر پورے کرائے یوں عمرہ شریف مکمل ہو گیا۔

جب ہم عمرہ شریف کے لیے یا حج کے لیے پاکستان سے آتے ہیں تو ہم کو چاہیے کہ ہم کسی عالم یا اپنے پیر و مرشد سے یہ معلوم کریں کہ یا حضرت! ہم عمرہ شریف پر جا رہے ہیں۔ احرام کس طرح باندھنا ہوگا۔ طواف کس طرح کرنا ہوگا۔ کتنے چکر لگانے ہوتے ہیں اور صفا مروہ کی سعی کیا ہوتی ہے؟ کس طرح کرنی ہوتی ہے؟ دُعائیں کس طرح مانگیں۔ تمام معلومات ان سے حاصل کریں اور ذہین نشین کریں تا کہ بیت اللہ شریف آ کر ہم کو کوئی پریشانی نہ ہو ہر قسم کی عبادت کے متعلق ان سے دریافت کریں۔

اور ایک ہم میں کمی یہ ہے ہم کسی دوسرے سے پوچھنے میں شرم محسوس کرتے ہیں دِل میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کیا کہے گا؛ عمرہ شریف پر آیا ہے اور اس کو علم نہیں ہے۔ بل کہ جس بات کا علم نہ ہو اپنے کسی بھی مسلمان بھائی سے پوچھ لیں۔ اس میں تم کو ثواب بھی ملے گا اور ارکان حج ادا ہونگے۔

الحمد للہ رب العلمین کہ ۱۲۔ ذی الحجہ مبارک آخری رَمی کر کے مکۃ المکرّمہ و بیت اللہ شریف میں واپس آ گئے۔ اب حج مبارک کے ارکان مکمل ہو گئے۔ جتنا پروگرام کے مطابق قیام تھا وہ مکۃ المکرّمہ میں قیام مبارک کرنا تھا۔

یہاں کا ایک لمحہ بھی قیام رحمتِ الٰہی کی عطا سے میسر ہوتا ہے۔ کیوں کر رب کریم کے مہمان ہوتے ہیں اور میرے لیے اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی تھی کہ اس نورانی مقام کی حاضری مبارک مرشدِ کریم کی صحبتِ پاک میں نصیب ہو رہی تھی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست

یہ اللہ کریم کی عطائے خاص تھی۔ بس یہاں پر ہر وقت عبادتِ الٰہی میں لمحاتِ زندگی مرشدِ کریم کی صحبتِ پاک میں گذر رہے تھے۔ روزانہ کئی بار طواف سے بیت اللہ شریف اور دیدارِ بیت اللہ شریف نفلی عبادت ذکرِ الٰہی تلاوتِ قرآنِ کریم اور رحمتِ اللعالمین کی بارگاہِ پاک میں درود و سلام پڑھنے میں لمحاتِ مبارک گزر رہے ہیں۔ الحمد للہ صحیح تعداد تو یاد نہیں ہے۔ کئی عمرہ شریف بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مرشدِ کریم کی موجودگی میں مکۃ المکرّمہ کے مبارک قبرستان "جنت المعلیٰ" حاضری مبارک کی سعادت نصیب ہوئی؛ مرشدِ کریم کے ہم راہ ایک' ایک قبر مبارک پر جا کر حاضری دی۔ اور مرشدِ کریم نے خصوصی دعائیں مانگی تھیں۔ واپسی پر مسجدِ جن میں جو کہ " جنت المعلیٰ "قبرستان کے ساتھ بالکل قریب ہے۔ وہاں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ مرشدِ کریم نے فرمایا: یہاں رحمت اللعالمین جنات کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کو مسجد (جن کے نام سے منسوب کیا گیا) اور آپ نے یہ بھی فرمایا بل کہ خود "سورۃ جن" کی تلاوت کی اور ہم کو بھی فرمایا کہ سورۃ جن کی تلاوت کریں۔

واپسی پر مولد النبیﷺ (جائے پیدائش رسول اکرمﷺ) کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ کمرہ مبارک جو کہ اب محکمہ اوقاف کا دفتر بنا دیا گیا تھا' بند تھا۔ باہر سے زیارت کی اور خوب دعائیں مانگی۔ مرشدِ کریم نے فرمایا کہ غالباً ۱۹۶۸ء یا اس سے قبل جب حج مبارک پر تشریف لاتے تھے تو اُس وقت آپ نے فرمایا کہ اندر جا کر دعائیں مانگتے تھے۔ آپ کی مبارک زبان سے میں نے خود یہ الفاظ سنے۔ آپ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ فیض محمد جب اندر گیا تھا اور وہاں پر جا کر دُرود و سلام پڑھا تو مجھ پر انوارِ الٰہی کی بارشیں شروع گئیں۔ جس طرح بارش کے قطرے جسم پر گرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے۔ میں نے اسی طرح اُن بابرکت قطروں کو محسوس کیا۔ یہ سب حضورﷺ کی نظرِ عنا

یت تھی۔ یہ قطعۂ زمین تو عرش مقام ہے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اُس دِل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدائت پہ لاکھوں سلام

آخری بات عرض کر کے اپنی اس تحریر کو اختتام کی طرف لے جاتا ہوں۔ میرے مرشدِ کریم کی نگاہِ رحمت اور نظرِ شفقت مجھ جیسے سیاہ کار پر ہمیشہ رہی۔ آپ نے مقاماتِ مقدسہ کی حاضری میں دُعاؤں میں مجھے یاد رکھا۔ آپ کی دُعا کے ثمرات جلد ہی ظاہر ہو گئے۔ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۱ء تک جدہ میں ملازمت کرتا رہا اور جس سال حجِ بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل ہوئی۔ یوں پہلا حج آپ کی صحبت میں ۱۹۷۳ء میں نصیب ہوا اور پھر تسلسل کے ساتھ ۶۔ بار حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

خدام میں ایک عرصہ گزارنے سے عربی کی شدبُد ہوئی تو چار سال مزید مجھے حرمِ پاک کے ایک آفس میں کام مل گیا۔ ۱۹۸۵ء سے ۸۸ء تک چار سال مسلسل حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ جنوری ۱۹۸۹ء میں والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے اس مقامِ قُدس کو خیر باد کہنا پڑا۔ ورنہ زندگی بھر اُسی در کے ہو رہنے کا دِل کرتا تھا۔

گیارہ مرتبہ حج کی سعادت کا حصول میرے لیے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی عطائے خاص تھی اور میرے مرشدِ کریم کی دُعا کا اثر۔ ورنہ من آنم کہ من دانم والا معاملہ تھا۔

یہ اُن کا کرم ہے اُن کا کرم
اُن کے کرم کی بات نہ پوچھو

کتنی ملی خیرات نہ پوچھو
اُن کا کرم بس ان کا کرم ہے

اہل عرب جس بات پر قسم اُٹھالیں۔یعنی ''واللہ عظیم کہہ دیں تو بات حق بہ حق ہوتی ہے۔واللہ عظیم کہتے ہو ئے عرض کناں ہوں ۷۳ء کی حاضری کو ۴۰۔سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چلا۔آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حا ضری کے جو آداب سکھائے وہ آج بھی ازبر ہیں۔آپ کی ہم راہی میں جو لمحات گزرے وہی زندگی کا حاصل ہے۔

کاش زندگی میں ایسے لمحات بار بار نصیب ہوتے رہیں۔بل زندگی اگر انھیں کی چوکھٹ کی گدائی پر گزرے تو کیا ہی کہنا۔مُرشدِ کریم کی کتاب ''نجم الہدیٰ'' جو مدینہ منورہ میں روضہ رُسول ﷺ کے سامنے پیش کی گئی ۔اور جسے درجہ قبول بھی حاصل ہوا۔اس ناچیز کو ۵۔بار اس کتاب کے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اہل محبت کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔محبتِ رسول ﷺ اس کتاب کی عطا ہے۔اہلِ عقیدت ومحبت میں سے جو بھی اس کتاب کا مطالع فرمائیں گے ضرور اس کے ثمرات سے بھی مستفیذ ہوں گے۔

سفر نامہ حج کی یہ مختصر سی رُوداد جو قارئین کی نظر کی گئی۔اپنے پیرومرشد کے ساتھ گزرے اُن پاکیزہ لمحات کی رُوداد ہے جو حجازِ مقدس کے سفر اور افغانستان، ایران وعراق کی زیارات کا تذکرہ ہے۔اگرچہ یہ سفری رُوداد تفصیل کی متقاضی تھی لیکن بوجوہ یہ ایک مختصر تذکرہ ہے۔اللہ رب العزت کی بارگاہِ لم یزل میں دست بہ دُعا ہوں کہ اپنے حبیبِ کریم کے وسیلہ جلیلہ سے اسے شرفِ قبولیت عطا ہو۔آمین

☆☆☆☆

اولیائے نڑرہ

پروفیسر شوکت محمود شوکتؔ ☆

جس طرح برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کی آمد سے اسلام پھیلا بعینہ، علاقہ نڑرہ میں بھی اولیائے کرام اور صوفیائے کرام نے اپنی آمد سے ۱۵۵۲ء کے قریب ،اسلام کے چراغ روشن کیے۔ یہ اولیائے کرام اور صوفیائے کرام، جن کے ساتھ عام لوگ بھی شامل تھے، ایک گروہ کی صورت میں (شکردرہ سے کوہاٹ) بہ راستہ طورہ بیرا علاقہ نڑرہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے اپنا پہلا پڑاؤ طورہ بیرا میں ڈالا۔ اسی دوران میں میانوالی سے بری خیل قبیلے کے آباؤ اجداد، دریائے سندھ کے راستے طورہ بیرا میں داخل ہوئے جس کا ذکر نور خان، بی۔اے، نے اپنی کتاب ''ساغری خٹک، تاریخ کے آئینے میں'' مطبوعہ اکتوبر، ۱۹۸۹ء میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔ بری خیل قبیلے میں اپنا مسکن طورہ بیرا کو بنایا جب کہ شکردرہ سے آئے ہوئے لوگ طورہ بیرا سے تقریباً ۳ کلومیٹر کے فاصلے پر چھب کی طرف منتقل ہوئے اور وہاں قیام کیا۔ ان لوگوں میں ایک نامی گرامی ولی، کہ جن کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا مگر عامتہ الناس انھیں لنگر بابا کے نام سے جانتے ہیں۔ لنگر بابا کا اجمالی تعارف ذیل میں دیا جاتا ہے۔

ا۔ لنگر بابا

لنگر بابا ۱۵۸۲ء شکردرہ کے مذکورہ گروہ کے ساتھ سے بہ راستہ طورہ بیرا تشریف لائے تھے۔ بچپن ہی سے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور مذہبی رجحان اِس قدر اُن میں پایا جاتا تھا کہ عہدِ طفلی ہی سے رمضان المبارک کے پورے روزے رکھتے تھے۔ نیز قرآنِ پاک کے کئی دَور کیا کرتے تھے اور پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ جب مذکورہ گروہ طورہ بیرا میں آباد ہوا تو تو لنگر بابا، چھب کی سمت ۸ کلومیٹر آگے تشریف لائے اور یہاں، کاروبارے دُنیا چھوڑ کر،، دریائے سندھ کے کنارے ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول و مصروف ہوئے۔ طورہ بیرا سے کچھ لوگ اِن کو لینے کے لیے آئے مگر انھوں نے اِن کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں طورہ بیرا سے کافی لوگ ،ہجرت کر کے آئے۔ انھوں نے بیٹھک کے سامنے والی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد کیا جو امتدادِ زمانہ کی وجہ سے قریۂ بے چراغ بنا؛ مگر آج بھی اُس گاؤں کے نشانات وہاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ علاقے کی ایک روایت کے مطابق لنگڑا بابا کے دائیں پاؤں میں تھوڑا سا لنگ پایا جاتا تھا اس وجہ سے

☆ پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج، چھب۔ تحصیل جنڈ (اٹک)

لوگ انھیں ''لنگڑا بابا'' کے نام سے بھی پکارا کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ''لنگڑا بابا'' لنگر بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ آج بھی اہلِ علاقہ انھیں ''لنگر بابا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بہر حال لنگر بابا نے اُسی جگہ (جہاں ان کی بیٹھک تھی) وصال فرمایا اور طورہ بیرا کے مکینوں اور شکردرہ سے آئے ہوئے لوگوں نے اُن کا مزار اُسی جگہ پر بنایا۔ لنگر بابا سے کئی کراماتِ مصدقہ وغیر مصدقہ منسوب ہیں۔ اُن کا مزار آج کل ایک کمرے کے اندر مرجع خلائق ہے اور لوگ اکثر اُن کے مزار پر منتیں مانگتے ہیں۔

۲۔ پٹھان خیل

لنگر بابا سے تقریباً ۶ کلومیٹر مشرق کی طرف ایک پہاڑی کی چوٹی پر قبرستان موجود ہے جو ''پٹھان خیل'' کے نام سے مشہور ہے۔ علاقے کی روایات کے مطابق، جس میں زیادہ تر شہدا اور اولیائے کرام مدفون ہیں۔ ان شہدا اور اولیائے کرام سے بہت سی مصدقہ وغیر مصدقہ کرامات منسوب ہیں۔ مثلاً شام کو وہاں سے کوئی قافلہ یا شخص آج تک اس لیے نہیں گزرتا کہ پٹھان خیل ان کو گزرنے نہیں دیتے یا پٹھان خیل کے اِردگرد ایک وسیع وعریض جنگل موجود ہے وہاں سے پٹھان خیل کسی کو لکڑیاں کاٹنے نہیں دیتے۔ اس طرح کی بے شمار روایات پٹھان خیل سے منسوب ہیں مگر، اس قبرستان میں ایک خاص بات جو راقم الحروف نے دیکھی، وہ یہ ہے کہ پٹھان خیل قبرستان میں زیادہ تر قبور شمالاً جنوباً ہی بنائی گئی ہیں جیسا کہ عام قبریں بنائی جاتی ہیں مگر اس قبرستان میں کچھ قبور ایسی بھی ہیں جو شرقاً غرباً بنائی گئی ہیں۔ اس واقعے کا ذکر جب راقم الحروف نے ایک ولی العصر سے کیا تو انھوں نے اِس کی بابت کچھ یوں بتایا کہ علاقہ چھب اور اس کی گردونواح کی آبادیوں میں ہندو اور سکھ آباد تھے ممکن ہے کہ انھوں نے اسی راستے سے کوہاٹ ہجرت کی ہو اور اپنا مال ومتاع پٹھان خیل کے قبرستان میں شرقاً غرباً قبور بنا کر دفنا دیا ہو؛ تاکہ کبھی اس علاقے میں واپس آئیں تو ان کو یہ قبریں ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔ مگر آج تک یہ راز نہیں کھل سکا کہ یہ قبور کن کی ہیں اور شرقاً غرباً کیوں بنائی گئی ہیں۔

۳۔ عزیز خان (فقیر)

عزیز خان فقیر بابا کے حالات زندگی پر دبیز گرد جمی ہوئی ہے۔ آپ سے اہلِ علاقہ نے کئی کرامات منسوب کی ہیں۔ آپ کا مزار موضع طورنگ میلہ کے سامنے والے ایک بڑے پہاڑ کے اوپر موجود قبرستان میں واقع ہے، آپ کا مزار بھی مرجعٔ خلائق ہے۔ البتہ، یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ ڈھوک عزیز کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ڈھوک عزیز (جو موضع چھب کے مشرق میں واقع ہے) انھی (عزیز خان فقیر بابا) کی آباد کردہ ہے مگر

یہ سراسر غلط بات ہے کیوں کہ ڈھوک عزیز کی بنیاد، طورہ خیل قبیلے کے جدِ امجد عزیز خان نے رکھی تھی جس کی آل میں خان بہادر شیر جنگ اور محمد سرور خان خٹک جیسی نامور شخصیات شامل ہیں۔

۴۔ پھُلیل بابا

پھُلیل بابا کا مزار موضع کنجور کے قبرستان میں واقع ہے جس پر ایک گنبد بھی بنایا گیا ہے، علاقے کی روایات کے مطابق پھلیل بابا کے جسم پاک سے بچپن میں پھولوں جیسی خوشبو آتی تھی اور وہ ہمیشہ سر کے بالوں میں سرسوں کا تیل لگایا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کے سر کے بالوں سے بھی عطر بیز مہک آتی تھی اس وجہ سے اہلِ علاقہ انھیں ''پھُلیل'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ان کا مزار، خصوصاً خارش اور دیگر جلدی بیماریوں کے لیے بہت مشہور ہے۔ اہلِ علاقہ ان کے مزار پر سرسوں کا تیل بوتلوں میں لے کر جاتے ہیں، اور وہاں موجود چراغوں میں کچھ تیل ڈال کر، باقی تیل بوتلوں میں واپس گھر لے آتے ہیں اور جس شخص کو خارش یا کوئی جلدی بیماری لاحق ہو اس کے بدن پر مذکورہ تیل ملتے ہیں اور اس شخص کو اس بیماری سے نجات مل جاتی ہے۔

۵۔ نانگا بابا

نانگا بابا کا مزار، موضع میاں ڈھکی کے جنوب میں قریباً ۲۔ فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے جس کے گرد ایک چھوٹا سا کمرا بھی بنایا گیا ہے، آپ ایک طویل القامت شخص تھے۔ آپ بچپن ہی سے سر کے بالوں کو ناپسند کیا کرتے تھے اس لیے سر کے بال اکثر اس حد تک تراشتے تھے کہ دُور سے بالکل نظر نہیں آتے تھے۔ بسا اوقات ننگے سر دھوپ میں پھرتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے بچپن ہی میں آپ ''نانگا'' مشہور ہو گئے تھے۔ اہلِ علاقہ آپ کو اپنے پشتو لہجے میں ''لانگا شو'' یعنی ''نانگا شو'' بھی کہتے ہیں۔ آپ سے کئی کرامات وابستہ ہیں جن میں سے دو کرامات کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

(الف) کہتے ہیں ایک دفعہ ایک انگریز آفیسر گھوڑے پر سوار شکار کی غرض سے آپ کے مزار کی طرف جا نکلا کسی نے اس کو منع کیا کہ نانگا بابا کے مزار کے اردگرد شکار کھیلنا منع ہے۔ تو انھوں نے بڑی نخوت سے کہا:

What Nanga Baba?

یہ کہ کر اس انگریز آفیسر نے قریب ایک گزرتے ہوئے خرگوش پر فائر کیا لیکن بندوق کی نال پھٹ گئی اور اس کا ہاتھ سخت زخمی ہوا۔ بعد میں اہلِ علاقہ اسے ہسپتال لے گئے جب اس کے ہاتھ کا زخم بھر گیا تو وہ نانگا بابا کے مزار پر حاضر ہو کر، معافی کا خواست گار رہا۔

(ب) نانگا بابا کے مزار کے قریب ایک باغ ہوا کرتا تھا جس میں پھل اور سبزیاں وغیرہ اکثر ہوا کرتی تھیں جب کوئی اس باغ سے کوئی پھل یا سبزی چوری کرتا تو تب تک اس کی بینائی جاتی رہتی جب تک وہ پھل یا سبزی اس باغ کے مالک کے حوالے نہ کر دیتا۔ یہ بات اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اس باغ سے چوریاں ہونا بالکل بند ہوگئی تھیں۔

۶۔ شہید بابا

ریلوے اسٹیشن چھب کے شمال میں تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر شہید بابا کا مزار واقع ہے۔ جس پر کسی زمانے میں صرف چار دیواری تھی بعد میں آپ کے مزار کے گرد ایک کمرا تعمیر کیا گیا۔ اب اس کمرے کو منہدم کر کے، ایک گنبد تعمیر کیا گیا۔ گنبد کے گرد چار دیواری بنائی گئی۔ آپ کے متعلق تمام اہلِ علاقہ حسنِ ظن رکھتے ہیں اور گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک، آپ ولیؒ کامل ہیں بعض روایات میں آپ کو تابعی یا تبع تابعی گردانا جاتا ہے۔ جب کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ صحابیٔ رسول ﷺ ہیں۔

آپ کا مزار، موضع چھب کی تعمیر سے بہت پہلے کا موجود ہے۔ آپ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں جن میں سے کچھ راقم الحروف کے مشاہدے میں بھی آئی ہیں۔ ایک مصدقہ کرامت کا تذکرہ سنیئے۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کا واقعہ ہے کہ تلہ گنگ (جو کہ اس وقت ضلع اٹک میں تھا اور اب ضلع چکوال میں ہے) کے ایک فوجی جوان کو فیلڈ کورٹ مارشل کا حکم سنایا گیا اور اسے فوجی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ سخت پریشان تھا، اس پریشانی کے عالم میں اس کو ایک رات خواب میں شہید بابا نے حکم دیا کہ تمھیں کچھ بھی نہیں ہوگا، تم بَری ہو جاؤ گے مگر تمھیں ہمارے مزار پر ننگے پاؤں حاضری دینی ہوگی۔ کہتے ہیں کہ جس دِن اس فوجی کو گولی مارنے کا وقت ہوا؛ بیس بہترین نشانہ باز تعینات کیے گئے اور اس فوجی کو لوہے کے ایک پول سے بیس گز کے فاصلے پر رَسی کے ذریعے سختی سے باندھ دیا گیا۔ چار سو گولیاں اس کے اِردگرد سے گزرتی رہیں مگر سوائے ایک گولی کے، کہ جو اس کے دائیں بازو کو معمولی سی مَس کر کے گزر گئی، اُسے کوئی اور گولی نہیں لگی، یہ معاملہ دیکھتے ہوئے انتظامیہ نے اپنا ارادہ بدلا اور اسے بہ حفاظت اپنے گھر بھیج دیا گیا۔ بہ بقول اس فوجی جوان، کہ اس نے چھب کا علاقہ نہیں دیکھا تھا مگر گھر پہنچتے ہی دوسرے دن وہ چھب ریلوے اسٹیشن پر آیا۔ اس زمانے میں چھب ریلوے اسٹیشن کے مغرب میں مددخان کا ہوٹل ہوا کرتا تھا اس فوجی نے مددخان سے شہید بابا کے مزار کی بابت دریافت کیا پھر اس ہوٹل سے سیدھا شہید بابا کے مزار پر حاضری دی۔

مددخان کا کہنا ہے کہ وہ جوان پابرہنہ تھا اور ہاتھ میں دو یا تین کلو گُڑ بھی ایک پوٹلی میں باندھ کر لایا تھا۔ اس

طرح کے کئی واقعات وکرامات آپ سے منسوب ہیں۔

۷۔ خڑا کیہ بابا

ڈھوک منصور کے شمال میں خڑا کیہ بابا کا مزار ہے۔اصل نام معلوم نہیں ہوسکا البتہ خڑا کیہ بابا کے نام معروف ومشہور ہیں،کم وبیش دو سے تین صدی قبل مدفون بتائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے مزار پر جو کتبہ حاجی شائستہ گل (نندرک آباد) نے حال ہی میں لگایا ہے۔اس پر خڑا کیہ بابا کی تاریخ وفات ۱۷۰۰ء لکھوائی ہے ۔آپ ،چھے اُکھیاں (چھے آنکھوں) والی سرکار (جن کا مزار ،میاں صاحب جبی، تحصیل تلہ گنگ،ضلع چکوال میں واقع ہے) کے مرید وخلیفہ تھے۔آپ سے بھی کئی کرامات منسوب ہیں۔جن کے تذکروں کا یہاں محل نہیں۔البتہ اہلِ علاقہ میں سے بعض لوگوں نے ہاڑ کی تپتی ہوئی دوپہروں یا سخت جاڑے کے اوقات میں خصوصاً نیم شب کو،آپ کے مزار کے پاس جنات کے قافلے دیکھے ہیں۔

آپ ایک ولیِ کامل تھے،میاں صاحب جبی کی چھے اُکھیاں والی سرکار،کوآپ سے بے حد محبت وعقیدت تھی۔اس لیے وہ اکثر آپ سے ملنے ڈھوک منصور آیا کرتی تھی۔ایک بار خڑا کیہ بابا سے ملاقات کرنے کے بعد شام کو چھے اکھیاں والی سرکار واپس میاں صاحب جبی جا رہی تھی کہ موجودہ موضع میاں ڈھکی میں انھوں نے مغرب کی نماز ادا کی ،ان (چھے اکھیاں والی سرکار) کی بیٹھک آج بھی موضع میاں ڈھکی میں موجود ہے جس کے گرد چار دیواری بنائی گئی ہے۔نیز ،میاں ڈھکی کا نام بھی چھے اکھیاں والی سرکار (میاں صاحب جبی) ہی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

۸۔ ملی امُلا خان بابا

ملی امُلا خان بابا کا مزار بھی نہایت قدیم ہے۔جو ریلوے اسٹیشن جھمٹ کے مغرب میں تقریباً ۵۔کلومیٹر کے فاصلے پر موضع جبی میں واقع ہے۔آپ کے مزار کے ساتھ آپ کے نبیرہ (سعداللہ خان) کا مزار بھی ہے۔مذکورہ دونوں مزارات ایک کمرے کے اندر واقع ہیں۔ان مزارات کے سرہانے کی طرف کی دیوار میں نصب ایک الماری میں ایک کتبہ پڑا ہوا ہے جس پر ''یاسمین سائیں'' لکھا ہوا ہے۔آپ سے بھی بہت سی کرامات منسوب ہیں جن میں سے ایک کرامت بھیڑوں کے متعلق ہے۔جن کی تعداد ایک سو تھی۔روزانہ ایک بھیڑ ذبح کی جاتی ،اس کے باوجود بھی بھیڑوں کی تعداد پوری سو ہی نکلتی تھی۔

المختصر،علاقہ نرڑہ میں مزارات کی تعداد کافی ہے جن میں سے کچھ ایسے مزارات بھی ہیں جو قعرِ گم نامی میں غرقاب ہیں۔ان پر تحقیق ہونا ابھی باقی ہے جن میں سے،چھب گاؤں کے شمال مشرق میں،کالا پل سے تقریباً ۲۔

کلومیٹر کے فاصلے پر ''رحمت بابا'' کا مزار موجود ہے ان سے بھی کئی کرامات منسوب ہیں جب کہ موضع جھمٹ کے شمال میں پہلے پہاڑی سلسلے کے عبور کرنے کے بعد ایک مزار ہے جو ''وجع المفاصل'' جیسی بیماریوں کے لیے مشہور ہے نیز، علاقہ نرڑہ کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے مشرق میں، تقریباً ۱۷ کلومیٹر کے فاصلے پر، موضع میرا شریف ،(تحصیل پنڈی گھیب) جیسی عظیم خانقاہ موجود ہیں اس کے علاوہ موضع مکھڈ شریف (تحصیل جنڈ) میں دو معتبر خانقاہیں یعنی خانقاہ پیر لعل بادشاہ اور خانقاہ مولانا محمد علی مکھڈی موجود ہیں۔ جہاں پر کئی نامور ہستیوں کے مزارات موجود ہیں مگر فیض صرف وہی پاتے ہیں جن کی قسمت میں فیض کا حصول لکھا ہوتا ہے۔ بہ قولِ شاعر:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از راہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

☆☆☆☆

محمد ساجد نظامی

۷۔ تفسیر معراجی [معراج نامہ]

عدد مسلسل: ۴۸۴۱

مصنف: حافظ محمد دراز پشاوری

موضوع: تفسیر القرآن

زبان: عربی

کاتب: ندارد

تاریخِ کتابت: ندارد

مقامِ کتابت: ندارد

سطور: ۱۷

صفحات: ۱۹۲

تقطیع: لمبائی: ۲۷ س م چوڑائی: ۱۸ س م

حوض: لمبائی ۲۰ س م چوڑائی: ۱۰ س م

کاغذ: ہلکا بادامی۔ ملائم۔ چمک دار

خط: نستعلیق

آغاز:

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم با لخیر سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا انما قال سبحان تنزیھاً لذاتہ من کل مالا یلیق بجلالہ من القبائح والنقائص ویقال عجباً من قدرۃ اللہ تعالیٰ وھو قول ابن عباس واصلہ من البّا حَۃ لان السابح یبعد نفسہ عن الغرق وانما

اوردہ فی صدرالکلام...

انجام:

قال تعالٰی وما ارسلناک الارحمة للعلمین وقال تعالٰی بالمومنین رؤف الرحیم ولذاامر .... واغلظ علیھم فلا جرم احتجب موسیؑ من اجل غلظة الجبلیّة وجاء نبینا محمد صلعم [ﷺ] انی امة منسبط الوجہ من اجل رحمة الذاتیة قال تعالٰی فبما رحمة من اللہ لنت لھم الحامة عشرانہ لما رفع بعیی علیہ السلام الی السماء وفی ھناک ونبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لما اسری بہ الی السموات ارسل بعد ذلک الی امة فی الارض مما الحکمة فی ذلک.

ترقیمہ: ندارد

کیفیت:

مولانا حافظ محمد دراز پشاوری یگانۂ روزگار تھے۔آپ نے مختلف موضوعات پر تصنیفات کا عظیم ذخیرہ اپنے وررثہ میں چھوڑا۔تفسیر معراجی (معراج نامہ) ص۲اور ص۱۹۲جواس کتاب کا آخری صفحہ ہے ہر دو صفحات پر،دومہریں ہیں جواتنی واضح نہیں لیکن جوعبارت پڑھی جاتی ہے۔اُس میں ''مولوی محمد شاہ'' لکھا ہوا ہے۔عربی متن پر حاشیہ کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔موضوع اور ضامن کی مناسبت سے فارسی اشعار بھی حاشیہ پر لکھے گئے۔صفحات نمبر سُرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ف ''فَصل'' اور ''لطیفہ'' کے زیرعنوان موضوعات کوتقسیم کیا گیا ہے اور انھیں سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔قرآنی آیات،احادیث اوراقوال کوبھی سُرخ روشنائی سے واضح کیا گیا ہے۔

تبصرہ:

مولانا محمد احسن ابن حافظ محمد صدیق ابن محمد اشرف ۱۲۱۲ھ/۸۔۱۸۸۷ء میں خوشاب (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔اکثرعلوم والدہ ماجدہ سے حاصل کیے۔

علمی سرمایہ

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری[فارسی]

۲۔ حاشیہ قاضی مبارک۔متعدد مطابع سے قاضی مبارکؒ کے شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ حواشی برتمۃ اخوند یوسف

۴۔ تفسیر سورۂ یوسف [ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم صدرِ شعبہ عربی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان نے اس مخطوطہ پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا۔ جس پر بہاول پور یونیورسٹی سے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ سورۃ یوسف کا مخطوطہ اسلامیہ یونیورسٹی پشاور کی لائبریری میں موجود ہے۔ جو ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے پیشِ نظر یہیں مخطوطہ رہا۔]

۵۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ تا آخرِ قرآن

۶۔ معراج نامہ (تفسیر معراجی)

۷۔ وفات نامہ

۸۔ شاہ بخارا کے سوالات کے جوابات [یہ مجموعہ اسلامیہ یونیورسٹی، پشاور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔]

۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء کو پشاور میں وصال ہوا۔ ۶۱ سال عمر پائی۔

۸۔ تفسیر سورۃ اخلاص

عدد مسلسل: ۳۶۲۰

مصنف: ندارد

موضوع: تفسیر

زبان: عربی

کاتب: ندارد

تاریخِ کتابت: رجب المرجب ۱۰۸۴ھ

مقامِ کتابت: ندارد

سطور: ۱۶

صفحات: ۹

تقطیع: لمبائی: ۲۶ س م چوڑائی: ۱۵ س م

حوض: لمبائی: ۲۱ س م چوڑائی: ۱۰ س م

کاغذ: نسخہ۔ گہرا بادامی۔ چمک دار

خط: نسخ

آغاز:

فی بیان تفسیر سورۃ الاخلاص قال اللہ تعالیٰ وتبارک قولہ تعالی قل ھوا للہ احد ا للہ الصمد لم یلدولم یولدولم یکن لہ کفواحد وھی اربع آیۃ وقیل خمس آیۃ مکیۃ اومدنیہ وخمس عشرۃ کلمۃ واربعون حرفاً واختلفوافی تسمیتھا بالاخلاص...

انجام:

قال ابن عباس رضی اللہ عنھما الصمد الذی لا جوف لہ ولا یاکل ولا یشرب فلوکان مجوفالمکان محتاجا الی شئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ لا یحتاج الی شئی بل کل شئی محتا[ج] الی اللہ تعالیٰ ویقال الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواحد معنی الصمد اکثر من ان بعد قولہ لم یلد یعنی لیس لہ ولد فیرث ملکہ وقولہ ولم یولد یعنی لیس لہ والد فیورث عنہ وقولہ ولم یکن لہ کفو احد یعنی لیس لہ ...ولا...ولا احد شی کلہ...

ترقیمہ: ندارد

کیفیت:

سیاہ رُوشنائی سے لکھا گیا یہ نسخہ ۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ رکاب کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ ترقیمہ نہیں ہے۔ جامع المعجزات اور یہ نسخہ ایک ہی مجموعہ میں جمع ہے۔ تحریراً جامع المعجزات اور اس کا کاتب ایک ہی ہے۔

تبصرہ:

سورۃ اخلاص کی مختصر تفسیر ہے۔ اس میں احادیث کے بھی حوالے دیے گئے ہیں۔ ترقیمہ نہ ہونے کی وجہ سے کئی پہلو وضاحت طلب ہیں۔

۹۔ جامع المعجزات

عددِ مسلسل: ۳۶۲۰

مصنف: شیخ محمد الواعظ الزہادیؒ

کاتب: ندارد

تاریخِ کتابت: رجب المرجب ۱۰۸۴ھ

مقامِ کتابت: ندارد

سطور: ۱۶

صفحات: ۱۶۴

تقطیع: لمبائی: ۲۶ س م چوڑائی: ۱۵ س م

حوض: لمبائی: ۲۱ س م چوڑائی: ۱۰ س م

کاغذ: گہرا بادامی۔ چمک دار

خط: نسخ

آغاز:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد اللہ الذی ارسل رسوله محمد صل اللہ علیه وسلم بالهدی الی کافة المخلوقات من الجن والا نس واوضع دینه علی سائر الادیان بالد لائل الواضحات وبالمعجزاۃ الباهرات والصلوۃ والسلام علی حبیبه ورسوله محمد صلی اللہ علیه وسلم صاحب الانوار کاشف الظلمات وعلی اله واصحابه وازواج الطاهرات.

امابعد یقول جامع هذ الرسالة الشریفة المبارکة الشیخ محمد الواعظ الزهادی(اسم موضع)لمارئیت فی کتب المعتبرات من التفاسیر الواضحات ومن شروح الاحادیث الصحیحات ومن کتب السیر والمواعظ المعجزۃ النبی صلی اللہ علیه وسلم اردت ان اجتمع تلک المعجزات فی مکان واحد وان لم یمکن جمع جمیع لان معجزات اکثر من ان یحصی ولکن طلبت ما اقتدرت وجمعتها فی هذ الرسالة الشریفة المبارکة وسمیتها جامع المعجزاۃ طلبا لرضاء اللہ تعالیٰ وفر خیر الا خرۃ ورجاء شفاعة یوم القیامة.

انجام:

قال النبی علیه السلام یا عکرمة مع هذ الحسن و الجمال لو امنت بی کنت من اهل الجنة فهرب عکرمة من.... (ناقص الاخر)

ترقیمہ: ندارد

کیفیت:

سیاہ رُوشنائی سے لکھی گئی اس تحریر میں ہر معجزہ کے واقعہ کو الگ کرنے کے لیے ''من معجزہ'' کے الفاظ کو سُرخ رُوشنائی سے لکھا گیا ہے۔ رکاب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ناقص الآخر ہے۔

۱۰۔ تفسیر محمدی [سورۃ کہف، آیت ۷ تا سورۃ فاطر، آیت ۱۳]

عددِ مسلسل: ۴۹۸۹

مصنف: شیخ محمد حسن چشتیؒ

موضوع: تفسیر

زبان: عربی

کاتب: ندارد

تاریخِ کتابت: ندارد

مقامِ کتابت: ندارد

سطور: ۲۷

صفحات: ۱۶۸

تقطیع: لمبائی: ۱/۲ ۲۳ س م چوڑائی: ۱۶ س م

حوض: لمبائی: ۱۷ س م چوڑائی: ۱۱ س م

کاغذ: سفید۔ ملائم

خط: رقعہ

آغاز:

"من الكبر عتيا" وكانت على صنف العقد واشاب فكيف وقد اختلا البيان وانما طلب اولاثم استبعد حين اسعف ليجاب بما احبب به فيزداد المومنون ايقاما ولا فمعقدزكريا اولاوآخرا (...كذا)غنّى عزلاسباب عتيا وهوالئيس فى المفاصل واللعظام لاجل الكبرا وبلغلمن مراتب الكبرما يتمى عتياوبرى لكبرالعين؟ليا ويفتهما فيهما وعسيا بمعنى عتيا قال كذالك قال ربك هوعلى هين وقدخلقتك من قبل ولم تك شئيا (آیت نمبر ۱۸۔سورۃ کہف)

انجام:

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُم تَشْكُرُوْن (سورۃ فاطر، آیت نمبر ۱۲)البحران العذب والما لح هلان للمؤمن؟الكافر ووصف البحران استبطرا دا اى ومن كل واحد منهما لحما يا هو الملك حليه هو؟والمرجان مواخر شراق للماء لحر مها اى من فضل الله ... المعنى استعير... اردة وسلك ... لام التعليل ولشكرو اوا الفرات مايكسر العطش .... مهد الله.....ملح على فعل والا جاج المرف... ...غير الا ستمراد وهو تفضيل الا جاج على الكافرالا جاج كالعذب فى ...واللؤ لو وجوى الفلك والكافر ...لقوله ثم قست قلوبكم الا به يولج اليل فى النهار ويولج... (سورۃ فاطر، آیت ۱۳)

ترقیم: ندارد

کیفیت:

نسخہ ناقص الطرفین ہے۔رکاب کا اہتما کیا گیا ہے لیکن ترقیمہ نہ ہونے کی وجہ سے کاتب وتاریخ کتابت اور مقام کتابت کی وضاحت نہیں ہوتی۔

تبصرہ:

شیخ حسن محمد چشتیؒ ۹۵۶ھ میں احمد آباد، گجرات میں پیدا ہوئے۔اپنے والد شیخ حسن محمد چشتیؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔وصال ۲۹۔ربیع الاوّل ۱۰۴۰ھ میں بہ وقتِ چاشت ہوا۔مزار مبارک احمد آباد گجرات میں مرجعٔ خلائق ہے۔''مسجد انصار'' کے ساتھ آپ کے تفصیلی احوال ''سنوات الاتقیاء'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔آپ کے خُلفا میں شیخ یحیٰ مدنی شامل ہیں۔

تصانیف میں تفسیرِ محمدی اور ۴۲۔رسائل شامل ہیں۔ڈاکٹر محمد سالم قدوائی اپنی کتاب ''ہندوستانی

مفسرین اور عربی تفسیریں“ میں تفسیر محمدی کے دو نسخوں کا تذکرہ کیا ہے۔ایک انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے جو مکمل ہے۔دوسرا نسخہ سر سالار جنگ لائبریری حیدر آباد [دکن۔انڈیا] میں محفوظ ہے۔اس میں فاتحہ تا کہف ہے۔

۱۱۔ تفسیر محمدی [سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۲ تا سورۃ والضحیٰ]

عدد مسلسل: ۴۹۹۰
مصنف: شیخ محمد حسن چشتیؒ
کاتب: ندارد
تاریخِ کتابت: ندارد
مقامِ کتابت: ندارد
موضوع: تفسیر
زبان: عربی
سطور: ۲۷
صفحات: ۲۵۶
تقطیع: لمبائی: ۲/۱ ۲۳ س م چوڑائی: ۱۶ س م
حوض: لمبائی: ۱۷ س م چوڑائی: ۱۱ س م
کاغذ: سفید۔ملائم
خط: رُقعہ

آغاز:

قَالَ یٰا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤ مَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِین (سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۱۰۲)**فلما بلغ ان سیعی مع اَبیه فی اشغاله ومَعه لایتعلق لا قضا... بلوغهما معاحدّ السّعی ولا با السعی لانه... معمول المصدر علیه بل هو ... کانه قال بلغ السّعی قیل مع من قال مع ابه**

واختص الاب لانه...الناس ای هوعلی طفولة وکان اذ ذاکر ابن ثلث عشره سنه...

انجام:

واما بنعمة ربک فحدث (سورۃ والضحیٰ) عدد علیه نعمه وانه لم مخلة منهامن اوّل........علی ماسلف الم........من الوجود بمعنی العلم ای الم یکن.....وذالک......ابوطالب وعطف اللہ علیه.......اومن.....

فی الطریق...

ترقیم: ندارد

کیفیت:

نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ رکاب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ترقیمہ نہیں ہے۔

۱۲۔ تفسیر بیضاوی [سورۃ بقرہ الیٰ مائدہ، آیت ۱۷۵]

عدد مسلسل: ۳۶۳۴

مصنف: عبداللہ بن عمر بن علی معروف بہ قاضی بیضاوی

کاتب: محمد رضا بن نظام الدین محمد سمرقندی

تاریخ کتابت: ندارد

مقام کتابت: سمرقند

موضوع: تفسیر

زبان: عربی

سطور: ۲۳

صفحات: ۳۲۴

تقطیع: لمبائی: ۲۹ س م چوڑائی: ۱/۲ ۱۸ س م

حوض: لمبائی ۱/۲ ۲۰ س م چوڑائی: ۱/۲ ۱۰ س م

کاغذ: ہلکا بادامی۔ چمک دار۔ ملائم
خط: نسخ و نستعلیق

آغاز:

(الحمدالله الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا)متعمدی بأقصر سورة مصاقع الخطباء من العراب العربا ء فلم یجد به قدیرا .وأفحم من تصدی لمعارضته من فصحاء علنان وبلغاء قحطان حتی حسبوا أ نهم سحرو اتسحیرا.ثم بین للناس مانزل الیهم حسب ماعنّ لهم من مصالهم لیدبروا آیة ولیتذ کرو اولو الباب...

انجام:

(یا ایها الناس قد جاء کم برهان من ربکم وانزلنا الیکم نور مبینا)عنی بالرهان المعجزاتِ وبالنور القرآن ای جا ء کم دلائل العقل و
شواهد وَلم یَبّق لکم عذر ولا علمّه وقل القرآن البر هانُ الدینُ او رسول الله او القرآن.(فاماالذین آمنو باالله واعتصموابه فسیدخُلُهم فی رحمةٍ ثوابِ قدّره مازاء ایمانه...ؤ

کیفیت:

نستعلیق میں لکھا ہوا انتہائی خوشخط نسخہ ہے۔آیاتِ قرآن کے لیے سُرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔باقی عبارت سیاہ روشنائی سے لکھی گئی ہے۔حاشیہ میں رکوع کی علامت کے لیے "ع" سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔متن کے باہر ۴ لائنوں کا باڈر ہے۔جس میں پہلی اور دوسری لائن کے درمیان سُنہری رنگ بھرا گیا ہے۔کہیں کہیں حاشیہ کا التزام کیا گیا ہے۔یہ نسخہ بھی عبدالرحمٰن نوشہروی (پنڈی گھیب) کے پاس رہا ہے۔نوشہرہ، تحصیل پنڈی گھیب کا ایک گاؤں ہے۔

تبصرہ:

اس کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔یہ تفسیر متعدد بار مختلف مطابع سے شائع بھی ہو چکی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد خان، ڈاکٹر، فهرس المخطوطات العربيه الاسلاميه في باكستان (الجزالاول) مطبع المعارف الجديدة۔ الرباط ۱۹۹۷ء۔

۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، تذکرہ اکابر اہلِ سُنت، نوری کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

۳۔ نجم الدین سلیمانی، حاجی، مناقب المحبوبین، مترجم: مولانا ذوالفقار علی ساقی، معینیہ محمودیہ سُلیمانیہ اکیڈمی، تونسہ شریف، جولائی ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

تفسیر محمدی کے صفحے کا عکسِ جمیل

تفسیر معراجعی کے صفحہ اول کا عکس

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اُس کا مرے آئینۂ اِدراک میں ہے

نہ ستارے میں ہے، نَے گردشِ افلاک میں ہے
تیری تقدیر مرے نالۂ بے باک میں ہے

یا مری آہ میں کوئی شرر زِندہ نہیں
یا ذرا نَم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے

کیا عجب میری نواہائے سَحَرگاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے

توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز
گرچہ اُلجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

☆☆☆☆☆

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْإِسْلَام

علامہ بدیع الزمان نورسیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَالْحَيُّ الْقَيُّوْم﴾(۱)

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْإِسْلَام﴾(۲)

اگر تم یہ بات سمجھنا چاہتے ہو کہ دنیا کیا ہے اور اس میں روحِ انسانی کا کیا کردار ہے، انسان کے لیے دین ایک کتنی قیمتی چیز ہے، اور یہ کہ اگر دین نہ ہوتا تو کس طرح دنیا ایک خوفناک قید خانے میں تبدیل ہو جاتی، اور یہ کہ ملحد آدمی ایک آخری درجے کی بدنصیب مخلوق ہے، اور یہ کہ جو چیز اس کائنات کے طلسم اور حیرت انگیز چیستان کا حل پیش کرتی ہے اور روحِ انسانی کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں لاتی ہے وہ چیز ہے "یـــا الـــلّٰـــہ"... "لا الـــہ الا الـلّٰـہ" ۔۔۔جی ہاں! اگر تم یہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہو تو اس تمثیلی کہانی کو غور سے سنو اور پھر تھوڑی دیر کے لیے اس میں سوچ بچار کرو۔

پہلے زمانے میں دو سگے بھائی اکٹھے سیر و سیاحت کے لیے نکلے، وہ برابر چلتے رہے تا آنکہ ایک دوراہے پر پہنچ گئے، وہاں انھیں ایک نیک باوقار قسم کا آدمی کھڑا ہوا ملا، ان دونوں نے اس سے پوچھا: "یہ دو راستے ہیں، ہمارے لیے ان دونوں میں سے بہتر کون سا رہے گا؟ اس نے کہا: "دائیں راستے میں قانون اور نظام کی پابندی ضروری ہے مگر امن و امان اور خوش نصیبی ملے گی، جب کہ بائیں طرف والے راستے میں اگر چہ کسی قسم کے قانون یا نظام کی کوئی پابندی تو نہیں ہے لیکن اس کے نتیجے میں تمہیں ہلاکت اور بدنصیبی ملے گی۔ اب تمہاری مرضی ہے جدھر چاہو چلے جاؤ۔"

یہ بات سننے کے بعد اچھی طبیعت رکھنے والا بھائی "تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰه" کہتے ہوئے دائیں طرف کو چل دیا، اور اس نے بہ طیبِ خاطر راضی خوشی قانون اور نظام کی پابندی کو قبول کر لیا۔ جبکہ دوسرے گمراہ، بداخلاق، نا ہنجار، اور غیر ذمہ دار بھائی نے صرف اس خوف سے کہ اِدھر مجھے پابندیاں سہنی پڑیں گی اور اُدھر آزادی ہی آزادی ہے، بائیں طرف والے راستے کو اختیار کیا۔

اس طرح یہ شخص گہری وادیوں، بلند و بالا پہاڑوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا ایک لق و دق وحشتناک صحرا میں جا پہنچا۔ اچانک اس نے وہاں ایک خوفناک آواز سنی، دیکھا تو ایک بپھرا ہوا شیر نظر آیا جو اس پر حملہ آور ہوا

چاہتا ہے، وہ خوف وہراس سے بوکھلا کر تیزی سے ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا، اچانک اس کے سامنے ایک ویران کنواں آ گیا جو ساٹھ (60) گز گہرا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جان بچانے کے لیے اس میں چھلانگ لگا دی، نیچے گرتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک درخت سے ٹکرا گئے، اس نے جلدی سے اسے پکڑ لیا، اس درخت کی دو جڑیں تھیں جو کنویں کی دیوار پر پھیلی ہوئی تھیں اور دونوں کو دو عدد چوہے اپنے تیز دانتوں سے جلدی جلدی کتر رہے تھے، ان میں سے ایک چوہے کا رنگ سفید تھا دوسرے کا کالا، اس نے گھبرا کر اوپر دیکھا تو دیکھا کہ شیر کنویں کی منڈیر پر چوکیدار کی طرح اس کے انتظار میں بے تاب کھڑا تھا، اس نے پریشان ہو کر نیچے دیکھا تو اس کے تو گویا اوسان ہی خطا ہو گئے، اس نے دیکھا کہ اس سے صرف تیس (30) میٹر کے فاصلے پر ایک بہت بڑا اژدھا سر اٹھائے پھنکارتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اور اس کا کھلا ہوا منہ اتنا چوڑا تھا جتنا کہ خود کنواں تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے ڈسنے والے موذی کیڑے مکوڑے بھاگے پھر رہے تھے، اس نے خود درخت کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ درخت تو انجیر کا تھا لیکن معمول سے ہٹ کر وہ اخروٹ سے لے کر انار تک ہر قسم کے پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔

یہ آدمی اپنی بدفہمی اور حماقت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ یہ کوئی معمول کا عام واقعہ نہیں تھا۔ اور نہ یہ ممکن تھا کہ ایسی چیزیں بغیر قصد وارادہ کے اتفاقاً ظہور میں آ جائیں! اور وہ یہ چیز بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان عجیب وغریب واقعات میں بڑے انوکھے قسم کے راز پنہاں ہیں! وہ نادان یہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان تمام چیزوں کے پیچھے ایک ایسی ذات کا ہاتھ ہے جو ان تمام چیزوں کے نظم وضبط کو قائم رکھ رہی ہے۔ اور انہیں ہدایات دے رہی ہے! ابھی اس آدمی کا دل اس المناک صورت حال پر رو ہی رہا تھا، اس کی روح فریاد کر رہی تھی اور اس کی عقل حیران تھی، کہ اچانک اس کے نفسِ امارہ نے ان تمام حالات سے بے پروائی دکھاتے ہوئے، دل کی آہ وزاری اور روح کی چیخ وپکار سے کان بند کر کے اور خود فریبی سے مغلوب ہو کر اس درخت سے پھل توڑ توڑ کر کھانے شروع کر دیے، اور ایسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، حالانکہ ان میں سے کچھ پھل بہت زہریلے اور نقصان دہ تھے۔ اور یوں اس بدبخت کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کیا گیا جس کی حقیقت اس حدیثِ قدسی میں بتائی گئی ہے:

﴿أَنَا عِندَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِي﴾ (۱)

مطلب یہ ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہوں جس طرح کا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے، اس لیے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، اور آئندہ بھی اس کے ساتھ کچھ اسی طرح کا سلوک ہوگا۔ بلکہ

یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ یہ گویا اس کی اس منفی سوچ کی سزا ہے کہ وہ جس چیز کو بھی دیکھتا تھا اس کے بارے میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ معمول کی بات ہے اور اصل حقیقت یہی ہے، یہ سوچتا ہی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے ایک کامل اور مکمل ارادہ کارفرما ہے۔ اور اس کی اس منفی سوچ کا سرچشمہ اس کی بدگمانی اور گونگا بہرا مورکھ پن تھا، اس کی سزا اسے یہ ملی کہ وہ عذاب کی آگ میں اس طرح جل رہا ہے کہ نہ تو مر کر چھٹکارا پا رہا ہے اور نہ معززانہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔

اب ہم اس منحوس کو تھوڑی دیر یہیں عذاب میں غلطاں پیچاں چھوڑ کر دیکھتے ہیں کہ دوسرے بھائی کے ساتھ کیا بیتی۔

یہ خوش نصیب اور عقل مند آدمی دوسرے بھائی کی طرح کسی تنگی اور مشقت کا سامنا کئے بغیر سفر کرتا رہا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کا چونکہ اپنا اخلاق بہت خوبصورت تھا اس لئے اس کی نگاہ صرف خوبصورت چیز پر جا کر ٹکتی تھی اور اُس کے سمندِ خیال کی لگام جس چیز کی طرف بھی مڑتی تھی وہ چیز اسے سراپا جمال اور عمدہ ترین لگتی تھی، اس لیے وہ ہر چیز کے ساتھ مانوس ہو جاتا اور اپنے بھائی کی طرح کسی بھی صعوبت اور مشقت سے دوچار نہ ہوا؛ وجہ اس کی سادہ سی ہے، اور وہ یہ کہ وہ نظام کے بارے میں علم رکھتا تھا اور ہر قدم قانون اور دوستی کے دائرے میں اٹھاتا تھا، اس لیے اس کی ہر مہم آسان ہوتی چلی جاتی تھی اور وہ سلامتی اور امن واستقرار کے سائے میں آزادی کے ساتھ محوِ سفر رہا......
حتیٰ کہ ایسے باغ میں پہنچ گیا جو خوبصورت پھولوں اور پر لطف لذیذ پھلوں سے بھرا ہوا تھا، اور صفائی

ستھرائی کے عدمِ اہتمام کی وجہ سے اس میں مرے ہوئے جانور اور دیگر بدبودار چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں- یاد رہے کہ اس کا بھائی بھی اس سے پہلے اس جیسے باغ میں داخل ہوا تھا، اس فرق کے ساتھ کہ اس کی نظر صرف مردہ جانوروں اور بدبودار چیزوں میں اٹکی رہی جس کی وجہ سے اس کا جی متلانے اور سر چکرانے لگ گیا تھا، اس لیے اس نے اپنا اگلا سفر جاری رکھنے کے لیے وہاں کچھ دیر آرام بھی نہ کیا اور فوراً وہاں سے نکل گیا- لیکن اِس بھائی کے پیشِ نظر یہ قاعدہ رہا "ہمیشہ ہر شے کا خوبصورت پہلو دیکھو"۔ اس لیے اس نے ان مرداروں اور بدبودار چیزوں کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور باغ کے پھلوں پھولوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور وہاں خوب آرام کر کے اپنے راستے پہ ہولیا۔

وہ بھی اپنے بھائی کی طرح ایک لق ودق صحرا اور وسیع وعریض جنگل میں داخل ہوا، اور اس نے بھی وہاں اچانک ایک شیر کی دھاڑ سنی، جو اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا، جس سے اس پر خوف طاری ہو گیا تھا، لیکن اس کا یہ خوف اس

طرح کا نہیں تھا جو اس کے بھائی پر طاری ہوا تھا، وہ چونکہ حسنِ ظن اور خوبصورت فکر کا مالک تھا، اس لیے اس نے اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہا: اس چٹیل صحرا کا کوئی حاکم ضرور ہے اور یہ شیر اس کا ایک وفادار اور ذمہ دار خادم ہے۔ اس سوچ سے اسے کافی حد تک اطمینان حاصل ہوا، تاہم وہ وہاں سے بھاگ ضرور پڑا، اور بھاگتا رہا حتی کہ ایک ویران خشک کنویں تک جا پہنچا جس کی گہرائی ساٹھ (60) گز تھی، اس نے جھٹ اس میں چھلانگ لگا دی، کنویں کے نصف راستے میں پہنچا تو اس کا ہاتھ ایک درخت کے ساتھ جا ٹکرایا، اس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا، اور اس طرح وہ کنویں کے اندر مُعلّق ہو گیا...... پھر اس نے دیکھا کہ دو چوہے اس درخت کی دو جڑوں کو آہستہ آہستہ کاٹتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ اس نے اوپر دیکھا تو شیر نظر آیا، اور نیچے دیکھا تو موٹا تازہ اژدھا منہ کھولے ہوئے تھا۔ اس نے خود کو بہت ہی پریشان کن حالت میں پھنسا ہوا پایا، وہ خوفزدہ ہو گیا لیکن اس پر طاری ہونے والا خوف اس خوف سے ہزار گنا کم تھا جو اس کے بھائی پر طاری ہوا تھا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اُس حسنِ خلق اور اس حسنِ فکر کی دولت سے مالا مال کیا ہوا تھا جس کے ہوتے ہوئے انسان کو ہر چیز کا صرف روشن پہلو نظر آتا ہے، اس بنا پر اس نے سوچا: یہ جتنے بھی عجیب وغریب واقعات ظہور میں آ رہے ہیں، لامحالہ ان سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں، اور یہ سب کے سب اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ ان سب کا محرّک اصل میں ایک ہی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان حیران کن واقعات میں کوئی بہت بڑا پوشیدہ راز اور طلسم ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

جی ہاں! یہ تمام چیزیں ایک نظروں سے غائب حکمران کے اوامر کی تابع ہیں، بنابریں! میں یہاں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میں اس نظر نہ آنے والی حکمران ہستی کی نظروں میں ہوں، وہ میرا خیال رکھتی ہے اور اس وقت میرا امتحان لے رہی ہے اور کسی خاص حکمت کے تحت وہ مجھے چلاتی پھراتی اس جگہ تک لے آئی ہے۔ اس کے اس حسنِ فکر اور خوشگوار خوف نے اس کے اندر ایک عجیب سا شوق ابھار دیا، جس سے اس کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ: ''وہ کون ہستی ہے جو مجھے آزما رہی ہے اور مجھے اپنی پہچان کروانا چاہ رہی ہے؟

وہ کون ہستی ہے جو مجھے ایسے راستوں پر چلا رہی ہے جن کی کوئی منزل نہیں ہے؟ پھر تعارف کے اس شوق سے اس طلسم کے خالق کے ساتھ محبت ابھری اور اس محبت سے اس طلسم کو حل کرنے کی رغبت بھڑک اٹھی، اور اس رغبت سے یہ رغبت پیدا ہوئی کہ ایسی وضع قطع اختیار کرنی چاہیے جو اس طلسم کے خالق کی بارگاہ میں بار پا جائے اور وہ حلیہ اپنانا چاہیے جسے وہ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے،

پھر اس کی نظر درخت کی چوٹی پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ یہ درخت تو انجیر کا ہے لیکن ٹہنیوں کے سروں پر ہزارہا

قسم کے پھل فروٹ لگے ہوئے ہیں، یہاں آ کر اس کا خوف و ہراس بالکل ہی ختم ہو گیا؛ کیونکہ اسے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی کہ انجیر کا یہ درخت دراصل ایک لسٹ اور نمائش گاہ ہے جہاں اس نظر نہ آنے والے حاکم نے اپنے باغات کے تمام نمونے معجزانہ شکل میں اس پر سجا کر اسے ایک نمونہ کی صورت میں رکھا ہے۔۔۔اور اس میں دراصل ان پھلوں اور لذیذ کھانوں کی طرف اشارہ ہے جو اس نے اپنے مہمانوں کے لیے تیار کیے ہوئے ہیں۔۔۔

وگرنہ صرف ایک درخت ہزار درختوں کے پھل نہیں دے سکتا ہے! اسے اب ایک ہی راستہ نظر آیا: اور ''وہ تھا دعا اور گریہ زاری کا راستہ، چنانچہ اس نے اپنی عاجزی اور انکساری کی پونجی خدا کے حضور پیش کی، گویا اسے اس طلسم کدے کی چابی مل گئی، چناں چہ وہ کہنے لگا:

''اے اس علاقے کے اور آفاق کے حاکم! میں تیرے حضور گڑگڑاتا ہوں، میں تیرا ادنیٰ خادم ہوں، میرے پیش نظر صرف تیری رضا ہے، میں تیرا طلبگار رہوں اور میں تیری تلاش میں ہوں''۔۔۔

دعا ختم ہوئی تو یک لخت کنویں کی دیوار شق ہو گئی اور سامنے ایک دروازہ نمودار ہو گیا جو ایک خوبصورت، پاکیزہ اور قابل فخر باغ کی طرف کھلتا تھا بلکہ یوں کہو کہ اژدھے کا منہ دروازے کی شکل اختیار کر گیا اور شیر اور اژدھا فوراً وفادار خادم کی صورت اختیار کر گئے۔۔۔اور اسے بڑے احترام کے ساتھ باغ کے اندر آنے کی دعوت

دینے لگے، حتیٰ کہ شیر ایک فرمانبردار گھوڑے کی صورت میں سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

سوائے میرے نفس کسلمند اور اے میرے خیالی دوست! آؤ دونوں بھائیوں کے ظاہری حالات اور اندرونی کیفیات کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک نیکی اور خوبصورتی دوسری نیکی اور خوبصورتی کو کھینچ لاتی ہے اور برائی اور بدصورتی دوسری برائی اور بدصورتی کو جنم دیتی ہے!

وہ بدبخت مسافر جس نے بائیں طرف والا راستہ اختیار کیا تھا وہ ہر لمحے اس خطرے سے دوچار ہے کہ اژدھے کے خوفناک منہ کا لقمہ بن جائے گا، اس لیے وہ خوف اور دہشت سے لرزہ براندام ہے، جب کہ اس دوسرے نیک بخت مسافر کو ایک خوبصورت، نظر نواز اور انواع واقسام کے پھلوں سے لدے ہوئے باغ میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اُس بدبخت کا دل خوف اور المناک دہشت سے پھٹا پھٹا جاتا ہے، جب کہ یہ نیک بخت رنگا رنگ اور عجیب وغریب چیزیں دیکھتا ہے تو ان سے اسے شیریں شیریں عبرت، پرلذت خوف اور محبت بھری معرفت حاصل ہوتی ہے۔ وہ بدبخت مسکین وحشت، ناامیدی اور تنہائی کا ناقابل برداشت عذاب سہتا ہے، جب کہ یہ نیک بخت پیار محبت اور مانوسیت سے لذت یاب ہوتا ہے اور امید وشوق کی دنیا میں اٹکھیلیاں کرتا ہے، پھر وہ سیاہ بخت ان جنگلی جانوروں

اور موذی حشرات الارض کے حملوں کے درمیان اپنے آپ کو جیل میں بند قیدی سمجھتا رہا، جبکہ یہ سفید بخت اور خوش نصیب ایک معزز مہمان کی طرح ہر چیز سے متمتع ہوتا رہا، ایسے کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ اس ذات کے ہاں مہمان تھا جو بڑی کریم اور مہمان نواز ہے، اس لیے وہ اس کریم ذات کے خادموں کی ٹہل سیوا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اُس نصیبوں والے نے درخت کے ان پھلوں کو پیٹ بھر کر کھالیا جو بظاہر بڑے میٹھے، لذیذ اور فرحت بخش تھے لیکن حقیقی اور معنوی لحاظ سے کڑوے اور زہریلے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پھل تو صرف ایک نمونہ تھے، ان کے بارے میں تو صرف اسی قدر اجازت تھی کہ انہیں چکھا جا سکتا ہے، تاکہ انہیں چکھنے والا اصلی اور حقیقی پھلوں کا طلب گار بن جائے اور حقیقت میں ان کا رسیا ہو جائے۔ ورنہ جانوروں کی طرح بے دریغ پیٹ بھرنے کی تو اجازت ہی نہیں تھی۔ جبکہ اس نیک بخت اور نصیبہ ور نے صرف چکھنے پر اکتفا کیا اور انہیں کھانے اور ان سے لطف اندوز ہونے کو انتظار کے خانے میں رکھ کر آئندہ کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اُس بختوں مارے نے خود پر تاریک حالات اور سیاہ توہمات طاری کر کے اپنی ذات پر خود ظلم کیا اور اپنی جہنم خود تیار کی، صرف اس بنا پر کہ اس کی بصیرت ان حقائق کو بھانپ نہ سکی اور ان خوبصورت اور تابناک حالات کو دیکھ نہ سکی جو دوپہر کی دھوپ کی طرح چمکیلے تھے۔ ایسا آدمی نہ تو کسی ہمدردی کا مستحق ہے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ حرفِ شکایت زبان پر لائے۔

ایسے آدمی کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے محبوب دوستوں کے جمگھٹے میں، گرمی کے موسم میں ایک خوبصورت اور دل کشا پارک میں برپا ویسے کی ایک روح افزا مجلس میں دعوت کے مزے اڑا رہا ہو، اور عدمِ قناعت کی وجہ سے شراب کے جام پر جام چڑھانا شروع کر دے اور پھر نشے میں دھت ہو کر ڈگمگا جائے اور چیخ دھاڑ مچادے ، اور رونا چلانا شروع کر دے، صرف اس لیے کہ وہ نشے کی بہتات سے خود کو جان لیوا سردی میں برہنہ محسوس کر رہا ہو اور یہ تصور کر رہا ہو کہ وہ دوستوں کی بجائے جنگلی درندوں میں گھرا ہوا ہے۔

ایسا آدمی یقیناً کسی شفقت اور ہمدردی کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وہ اپنے دوستوں کو وحشی اور خوفناک درندے سمجھ کر ان کی توہین کر رہا ہے اور اس طرح اپنی ذات پر خود ظلم کر رہا ہے۔۔۔ یہ منحوس بھی یقیناً سو فیصد ایسے ہی ہے۔ لیکن وہ سعادت مند حقیقت کا ادراک رکھتا ہے۔ اور حقیقت فی نفسہٖ بہت خوبصورت ہے۔ یہ بھائی جہاں حقیقت کے حسن کا ادراک رکھتا ہے وہاں صاحبِ حقیقت کی کمالِ شان کا احترام اور اس کی توقیر بھی کرتا ہے۔ اس لیے اس کی رحمت کا مستحق بھی ہے۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ!

مَآ أَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ (۱)

میں پائے جانے والے اسرار سے آگاہی حاصل کرو۔

ان دونوں بھائیوں کے کرداروں کے درمیان جتنے فرق پائے جاتے ہیں اگر آپ ان سب کا موازنہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ: پہلے کے لیے نفسِ امارّہ نے ایک معنوی جہنم تیار کر دیا جبکہ دوسرا ___ اپنی حسنِ نیت، حسنِ ظن، حسنِ خصلت، اور حسنِ فکر کی وجہ سے ___ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسان، اس کے فیضِ عام اور سعادت مندی کا مظہر بن گیا۔

اے میری جان اور اے میرے اس کہانی کو سننے والے دوست!

اگر تم اس منحوس بھائی کی طرح نہیں بلکہ اس سعادت مند بھائی کی طرح بننا چاہتے ہو تو پھر قرآن کریم سنو، اس کے فرمان کے مطابق ڈھل جاؤ، اسے مضبوطی سے پکڑلو اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اور اگر تم نے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیا ہے جو اس تمثیلی کہانی میں بیان کئے گئے ہیں تو پھر ان کی روشنی میں تم دین، دنیا، انسان اور ایمان، ان سب کی حقیقتوں کا ادراک کر سکتے ہو۔ میں تمہارے سامنے چند بنیادیں رکھ دیتا ہوں تم ان سے دقیق اور گہرے نکتے خود نکال سکتے ہو۔

دو بھائیوں سے مراد ایک تو مومن کی روح اور نیک آدمی کا دل ہے، اور دوسرے سے مراد کافر و فاسق کی روح اور اس کا دل ہے۔ ان دو راستوں میں سے دائیں طرف کے راستے سے مراد قرآن اور ایمان کا راستہ ہے، اور بائیں طرف والے راستے سے مراد کفر اور نافرمانی کا راستہ ہے۔ جہاں تک اس باغ کا تعلق ہے جو راستے میں پڑتا ہے تو اس سے مراد انسانی معاشرے اور انسانی تہذیب وتمدن کی موجودہ معاشرتی زندگی ہے۔ اس لیے عقلمند وہ ہے جو یہاں اس مندرجہ ذیل قاعدے پر عمل کرتا رہے۔

"**خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَر**"، یعنی صاف، اچھی اور خوشگوار چیزیں اختیار کر لو اور گدلی، بری اور ناگوار چیزوں کو چھوڑ دو۔

اس طرح وہ دل کی سلامتی اور روح کے اطمینان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے اس صحرا کا تو اس سے مراد یہ دنیا اور یہ زمین ہے۔ اور وہ جو شیر ہے، وہ اجل یا موت ہے۔ اس کنویں سے مراد انسان کا جسم اور زندگی کا زمانہ ہے۔ اور اس کنویں کی ساٹھ (60) گز گہرائی جو ہے اس

سے مرادنوعِ انسانی کی عمومی عمر ہے جو کہ عام طور پر ساٹھ سال ہوتی ہے۔کنویں میں جو درخت ہے اس سے مراد عمر کی مدت اور مادۂ حیات یعنی زندگی کا دورانیہ ہے۔وہ کالے اور سفید جانور جو ہیں ان سے مرادرات اور دن ہیں۔

اژدہا قبر کی نمائندگی کرتا ہے جس کا منہ برزخ کے راستے اور آخرت کے بالا خانے کی طرف کھلا ہوا ہے......

لیکن یہ منہ مومن کے لیے وہ دروازہ ہے جو قید خانے سے خوبصورت باغ کی طرف کھلنے والا ہے۔وہ موذی اور زہریلے حشرات الارض جو ہیں وہ دنیا کے آلام ومصائب ہیں،فرق صرف یہ ہے کہ یہ آلام ومصائب ایک مومن کے لیے اسے بیدار رکھنے کے لیے میٹھی میٹھی الٰہی تنبیہات اور رحمانی التفاتات،عنایات اور توجہات ہیں۔اور اس درخت کے جو انواع واقسام کے پھل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو اس نے اس لیے بنائی ہیں تا کہ یہ آخرت کی نعمتوں کے لیے بطور فہرست کے کام دیں اور ان کی یاد دہانی کراتی رہیں؛ کیونکہ یہ نعمتیں اخروی نعمتوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں،اور انھیں اس خالق الحکیم نے نمونے کی حیثیت سے پیدا کیا ہے تا کہ اس سے آخرت کے خریداروں کو جنت کے پھلوں کی دعوت ملتی رہے۔اور یہ جو ایک ہی درخت کو انواع واقسام کے پھل لگا دیے گئے ہیں تو یہ صمدانیت کی علامت،الٰہی ربوبیت کی مہر اور سلطنتِ الوہیت کے شاہی فرمان کا ٹھپا اور طغرائے امتیاز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ''ہر چیز ایک ہی چیز سے بنائی گئی ہے''،مطلب یہ ہے کہ تمام پیڑ پودے اور ان کے پھل ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔تمام حیوانات ایک ہی پانی سے پیدا کیے گئے ہیں۔اور اسی طرح''ایک چیز کو ہر چیز سے بنایا گیا ہے''،جیسے ایک جاندار کا گوشت اور اس کی کھال مختلف قسم کے کھانوں سے بنتی ہے۔۔۔یہ تمام کارخانہءحیات اُس احدُ الصمد ذات کی خاص نشانی،اس کی ازلی اور ابدی بادشاہت کی وہ خصوصی مہر اور طغرائے امتیاز ہے جس کی تقلید کبھی ممکن ہی نہیں۔

جی ہاں!بے شک ایک چیز کا ہر چیز سے پیدا کرنا،اور ہر چیز کا ایک چیز سے پیدا کرنا،ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف ہر چیز کو پیدا کرنے والی ذات ہی کے لائق ہے۔اور ایک ایسی خصوصی علامت ہے جو صرف اسی ذات کے ساتھ خاص ہے جو علی کلّ شیء قدیر ہے۔رہی بات اس طلسم کی،تو وہ کائنات کی حکمت کا ایک ایسا راز ہے جو ایمان کے راز سے کھلتا ہے۔

اور چابی ہے:﴿یااللّٰہ﴾ اور﴿لا اِلَہَ اِلّا اللّٰہ﴾اور﴿اَللّٰہُ لا اِلَہَ اِلّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوم﴾.

اور جہاں تک تعلق ہے اژدہے کے منہ کے باغ کے دروازے میں تبدیل ہو جانے کا،تو یہ اس چیز کی طرف

اشارہ ہے کہ قبر وحشت، خودفراموشی، عدمِ توجہی، تنگی اور گھٹن والا قید خانہ ہے، گویا کہ وہ اہلِ ضلالت وطغیان کے لیے واقعتاً اژدہے کا پیٹ ہے، لیکن جہاں تک اہلِ ایمان اور اہلِ قرآن کا تعلق ہے۔۔۔تو ان کے لیے وہ دنیا کے قید خانے سے باغ بہشت کی طرف، اس دارالامتحان سے جنت کے باغیچوں کی طرف اور زندگی کی زحمت سے رحمان کی رحمت کی طرف چوپٹ کھلا ہوا دروازہ ہے۔

باقی رہا اس خونخوار شیر کا ایک سدھائے ہوئے تابع فرماں گھوڑے اور مُونس وغمگسار خادم کی صورت اختیار کر جانا، تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: موت اہلِ ضلالت کے لیے تمام مأ لوفات ومحبوبات سے ایک المناک دائمی فراق، اور دنیا کی جھوٹی جنت سے نکل کر قبر کی انفرادی جیل میں منتقل ہونے اور تنہائیوں کے جنگل میں بھٹکنے کا نام ہے۔

جب کہ یہی موت اہلِ ہدایت واہلِ قرآن کے لیے ایک دوسری دنیا کی طرف کوچ کرنے، پرانے یاروں دوستوں سے ملاقات کرنے، وطنِ حقیقی اور ابدی سعادت کی منازل ومساکن میں بسیرا کرنے، دنیا کے قید خانے سے جنت کے باغات کے لیے کریمانہ بلاوا، خدائے رحمان ورحیم کی مہربانی سے اپنی خدمتوں اور فرمانبرداریوں کا صلہ پانے کا انتظار، آلام ومصائبِ زیست سے چھٹکارا، زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوشیوں کا اجازت نامہ اور بندگی کے فرائض واجبات اور تعلیم وتعلیمات کے امتحانات کے اختتام کا نام ہے۔

خلاصہءکلام یہ ہے کہ:

> جو آدمی اس فانی دنیا کو اپنی منزلِ مقصود بنالیتا ہے وہ اگر چہ بظاہر نعمتوں کے جلو میں دادِعیش دیتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ جہنم میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

اور جو اپنی تمام تر توجہ اس باقی رہنے والی زندگی پر مبذول رکھتا ہے اور اس کے حصول کے لیے پوری سنجیدگی اور اخلاص سے مصروفِ تگ ودو رہتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہے، دونوں جہان اس کی مٹھی میں ہیں، اگر چہ اس کی دنیاوی زندگی بظاہر کتنی ہی ناکام اور تنگی ترشی سے دوچار نظر آتی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ اس کی یہی کڑوی کسیلی دنیا عنقریب اسے میٹھی اور خوشگوار نظر آئے گی؛ کیونکہ وہ اس دنیا کو اپنی جنت کے لیے ایک انتظار گاہ سمجھتا ہے، اس لیے اسے بہرصورت برداشت کرتا ہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کردے جو سعادت، سلامتی اور قرآن وایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔

اللهم صل وسلم على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه بعدد جميع الحروفات المشكلة في جميع الكلمات المتمثلة بإذن الرحمان في مرايا تموجات الهواء عند قرأة كل كلمة من القرآن من كل قارئ من أول النزول إلى آخر الزمان. وارحمنا ووالدينا وارحم المؤمنين والمؤمنات بعددها برحمتک يا أرحم الراحمين. آمين والحمد لله رب العالمين.

☆☆☆☆☆

Quarterly

Qindeel-e-Suleman

18

NIZAMIA DAR-UL-ISHA'AT KHANQAH-E-MO'ALLA
HAZRAT MOLANA MUHAMMAD ALI MAKHADI (R.A).
MAKHAD SHAREEF (ATTOCK)